2182

نکات الشعرا

خلاصہ

کلمات الشعرا سرخوش

ریاض شمن والی

ایم فرمان علی بکسیلر پبلشر موہن لال روڈ لاہور
قیمت دس آنے

انتساب

میں اپنی اس ناچیز تالیف کو

کمال خلوص و عقیدت کیساتھ

اپنے نہایت عزیز و مہربان دوست

آقائے راوی

کے نام نامی کے ساتھ معنون کرتا ہوں ؎

گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

نیاز کیش :-

ریاض

نامی پریس پلیبہ اخبار سٹریٹ لاہور میں باہتمام ایم فرمان علی پرنٹر و پبلشر چھپا

محمد افضل سرخوش

۱۰۵۰ھ میں بعہد شاہجہان کشمیر میں پیدا ہوئے۔ قوم کے مغل تھے۔ آپ کے جدامجد میر لعل بیگ بدخشاں کے رہنے والے تھے۔ والد بزرگوار کا نام محمد زاہد تھا۔ اور وہ عبداللہ خان زخمی شاہجہانی کی بارگاہ کے متوسّلین میں سے تھے۔ محمد زاہد کے پانچ بیٹے تھے جو عبداللہ خان کی وفات کے بعد سب کے سب شاہی خدّام کے زمرہ میں منسلک ہوئے۔

سرخوش اگرچہ کشمیر میں پیدا ہوئے لیکن ان کی تربیت علاقہ سرہند میں ہوئی۔ بچپن ہی میں شعر گوئی کا شوق تھا۔ ناصر علی سرہندی سے بھی ان کی بچپن ہی میں دوستی ہو گئی تھی۔ شروع میں اپنے برادر بزرگ خیرالدین محمد عجزی کی صحبت میں مشق سخن کرتے رہے۔ ابتدائی عمر ہی میں آپ کے اشعار ارباب سخن کی توجہ اپنی طرف کھینچنے لگے۔ چنانچہ آٹھ نو سال کی عمر ہو گی کہ ایک روز بازار میں ایک خوبصورت خواجہ سرا کو دیکھا جس کے چاہِ زنخداں کے اوپر ایک خال تھا۔ اس کو دیکھ کر فی البدیہہ یہ مطلع پڑھا۔

بر زنخدان تو خال سیہی افتاده است
ہیچو دلو لیست کہ بالای چہی افتاده است

یہ مطلع برادر بزرگوار کو سنایا تو وہ بہت خوش ہوئے۔ اور اس روز سے ان کی اصلاح کی طرف زیادہ توجہ کرنے لگے۔

گیارہ سال کی عمر میں ایک رسن باز لڑکی کو دیکھ کر یہ رباعی کہی ؎

آن دلبر بوالعجب کہ دارد زیبا ست | بالای علم چو گل بشاخ رعنا است
نی نی غلطم کہ آفتاب محشر | یک نیزہ بر آمد و قیامت برپا ست

اس رباعی سے ہر طرف ایک غلغلہ بپا ہو گیا۔ ارباب ذوق قاضی پیر محمد ربانی وغیرہ سرخوش کے والد کی خدمت میں آئے اور کہا کہ یہ بچہ کچھ دنوں میں آفتاب کی طرح چمکنے والا ہے۔ اس کے حال غافل نہ رہنا۔

تخلص

سرخوش نے جب اپنے لئے تخلص اختیار کیا تو سب سے پہلے ملا جامی بیخود لاہوری کی خدمت میں اس کا اظہار کیا۔ انہوں نے بہت پسند کیا۔ اور فاتحہ خیر پڑھ کر اس کو مقرر کیا۔

مرزا محمد علی ماہر کی شاگردی

کچھ عرصہ بعد آپ نے مرزا محمد علی ماہر کی خدمت میں زانوئے تلمذ تہ کیے۔ ان کی صحبت طبیعت سے اس قدر موافق نکلی کہ تمام عمر کا ساتھ ہو گیا ماہر صاحب پر سرخوش کی قابلیت و مہارت کا یہ اثر تھا کہ آپ اکثر کہا کرتے تھے۔ کہ اس نوجوان کی شگفتگی طبع نے مجھے حیران کر رکھا ہے۔ نت نئے معنی لے کر آتا ہے۔

ماہر کے علاوہ آپ نے خورد سالگی کے زمانہ میں چند روز منعم کے کلام

شیرازی کی خدمت میں بھی مشق سخن کی۔ نیز میر معز موسوی خان کی صحبت سے بھی فیض حاصل کیا۔ میر موصوف اکثر فرمایا کرتے تھے۔ کہ میں نے ہندوستان میں تین شاعر دیکھے ہیں۔ غنی، ناصر علی اور سرخوش۔

ملازمت

شروع میں عبداللہ خان زخمی کی سرکار میں بعض کارخانجات کی خدمات انجام دیتے رہے اس کی وفات کے بعد شاہی ملازمت اختیار کی اور صاحب منصب ہوئے۔ ۱۰۸۷ھ میں آپ کو حسن ابدال میں مشرفی عدالت کا عہدہ تفویض ہوا تھا۔

گوشہ نشینی

سرخوش کی طبیعت ابتداہی سے درویشانہ تھی۔ اہل اللہ کی خدمت کا جذبہ آپ کو والدین کی طرف سے وراثت میں ملا تھا۔ رفتہ رفتہ طبیعت کا یہ میلان بڑھتا گیا اور آخرکار گوشہ نشینی اختیار کرکے خدمت درویشاں میں ہمہ تن مشغول ہوگئے۔ لیکن ان کی گوشہ نشینی سے ترک دنیا مراد نہیں۔ بلکہ ان ایام میں بھی باقاعدہ اپنے فرائض منصبی بجالاتے رہے۔

تصوف و عرفان

سرخوش میدان عرفان کے بھی شہسوار تھے۔ میر معز اور دیگر معاصرین آپ کی بزرگی کے قائل تھے۔ جب کبھی میر معز کے ہاں جاتے تو میر صاحب درس علوم عربی موقوف کر دیتے اور طلباء سے کہا کرتے تھے کہ کتابیں اٹھا لو اب ہم سرخوش سے علم تصوف اور شعر کے متعلق باتیں کریں گے۔

کارِ خیر و شکایت زمانہ

سرخوش آسودگی و خوشحالی سے زندگی بسر کرتے تھے۔ مال و زر کی کمی نہ تھی اپنی رہائش کے لئے دو حویلیاں حوض و فوارہ وغیرہ بنائے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ طبیعت میں فیاضی کا مادہ کثرت سے تھا۔ کارِ خیر میں فراخدلی کے ساتھ حصہ لیتے تھے۔ چنانچہ اپنے مکان کے سامنے ایک مسجد بھی تعمیر کرائی۔

باوجود بزرگ زادگی اور قناعت پیشگی سرخوش امرائے عہد کی ممسک مزاجی کے ہمیشہ شاکی رہے۔

اولاد و شاگرد

سرخوش کے صرف ایک لڑکا تھا جو ۱۰۹۴ھ میں پیدا ہوا۔

ان کے شاگردوں کے اسماء حسب ذیل ہیں :۔

۱۔ بندرابن داس خوشگو (مصنف سفینۂ خوشگو)۔

۲۔ حافظ محمد جمال تلاش۔

۳۔ بیغم بیراگی (یہ بھی ہندو تھے)۔

۴۔ شیخ سعد اللہ گلشن۔

۵۔ عبد الرحیم کمگو کشمیری۔

۶۔ حکم چند ندرت۔

وفات

سرخوش نے ۷۶ سال کی عمر میں محمد فرخ سیر بادشاہ کے عہد میں ۱۱۲۶ھ

ہیں دہلی میں وفات پائی۔ اور متصل قدم رسول مدفون ہوئے۔ حکم چند ندرت نے مصرعِ ذیل سے تاریخِ وفات نکالی ہے ؎

زجہاں رفت آہ عارف پاک

آخری عمر میں ضعفِ بصارت کی وجہ سے لکھنے پڑھنے کا کام موقوف ہو چکا تھا اور آپ بالکل خانہ نشین ہو گئے تھے۔

تصنیفات

۱۔ کلیاتِ سرخوش۔

۲۔ مثنوی نور علیٰ نور (مثنوی مولانا روم کے تتبع میں)۔

۳۔ مثنوی حسن و عشق مشتمل بر قصہ سستی پنوں۔

۴۔ ساقی نامہ۔ ۵۔ مثنوی قضا و قدر۔

۶۔ جنگ نامہ محمد اعظم شاہ۔

نثر:۔ ۱۔ جوش و خروش۔

۲۔ کلمات الشعراء۔ وغیرہ۔

جملہ تصنیفات میں سے صرف تذکرہ کلمات الشعرا ہے جو دستبردِ زمانہ سے بچ کر آج ہمیں سرخوش سے روشناس کراتا ہے۔

خصوصیاتِ کلام

پختگی، برجستگی و جدت طرازی سرخوش کے کلام کی امتیازی خصوصیات ہیں۔ قدما کی طرز سے رغبت نہ رکھتے تھے۔ طبیعت کا میلان تلاشِ معانی کی طرف زیادہ تھا۔ میر معزؔ اور میرزا ماہر اکثر ان کی تلاش کی داد دیا کرتے

تھے۔ ان کے علاوہ میرزا بیدلؔ اور ناصر علی سرہندی سے اکثر طرحی مشاعرے ہوتے رہتے تھے ان کا کلام زیادہ تر عارفانہ ہوتا تھا۔ بدیہہ گوئی میں ان کو خاص مہارت حاصل تھی۔ اور تاریخ گوئی میں بھی خاص ملکہ حاصل تھا۔

کلمات الشعراء

سبب تالیف

سرخوشؔ نے کلمات الشعرا کا سبب تالیف خود وضاحت سے بیان کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں :۔

"جن لوگوں نے اس سے پہلے تذکرۂ شعرا کی تالیف و ترتیب کا بیڑا اٹھایا ہے انہوں نے رودکیؔ سے لے کر اپنے زمانے تک کے شعرا کے حالات و اشعار نقل کئے ہیں۔ اکبر بادشاہ کے زمانے تک اکثر تاریخیں اور تذکرے لکھے جا چکے ہیں۔ اور تمام تذکروں میں انہی باتوں کو دہرایا گیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ؎

تکرار گرچہ سحر آمیز باشد طبیعت را ملال انگیز باشد

پس میں نے تمام گذشتہ شعرا سے قطع نظر کرکے نور الدین جہانگیر سے عالمگیر کے زمانے تک کے شعرا کے احوال و اقوال کی ترتیب و تدوین کا کام اپنے ذمے لیا ہے۔ ان میں سے بعض شعرا میرے ہم عصر ہیں اور اکثر ایسے ہیں جن کی صحبت سے میں مستفیض ہوا ہوں۔"

سنِ تصنیف

تذکرہ کلمات الشعرا ۱۰۹۳ھ میں ورطۂ تحریر میں آیا۔ لیکن اس میں بعض حالات ۱۱۱۵ھ تک کے ملتے ہیں۔ بعض قرائن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ تذکرہ ۱۱۱۵ھ میں یا اس کے بعد دوبارہ مرتّب کیا گیا۔

شہرت واہمیّت

سرخوش کی زندگی ہی میں اس تذکرہ کی مقبولیت کا یہ عالم تھا۔ کہ لوگ ہاتھوں ہاتھ اس کی نقلیں اتار کر لے جاتے اور دور و نزدیک اس کی اشاعت کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ تذکرہ ان کی دوسری تصنیفات کی طرح دستبردِ زمانہ کا شکار ہونے سے بچ گیا۔

یہ اپنی قسم کا واحد تذکرہ ہے جو اس زمانہ کے شعرا کے حالات سے ہمیں روشناس کراتا ہے

مآخذ

کلمات الشعرا میں جن شاعروں کا ذکر ہوا ہے ان میں سے اکثر و بیشتر سرخوش کے ہمعصر تھے۔ بہت سے ایسے تھے جن سے سرخوش کو ملاقات کا شرف حاصل تھا۔ اس لئے یہ تذکرہ زیادہ تر مصنّف کے چشم دید حالات پر مبنی ہے۔

مزید برآں اس کو مرتب کرنے میں سرخوش نے میر معزؔ، ماہر اور راسخ کی بیاضوں سے کافی مدد حاصل کی۔ اس میں جو اشعار درج ہیں وہ بھی ان

تین استادان سخن کے انتخاب کردہ ہیں۔

طرزِ تحریر

یہ تذکرہ بہت آسان و سادہ عبارت میں لکھا گیا ہے۔ سرخوش نے عام فہم لیکن صاف و شستہ انداز میں اختصار کے ساتھ اپنا مطلب بیان کیا ہے۔ غیر ضروری عبارت آرائی اور لفاظی سے حتی الامکان پرہیز کیا گیا ہے۔

طباعت و اشاعت

مختصر یہ کہ تذکرہ کلمات الشعرا فارسی زبان کے ان تمام تذکروں میں جو اس وقت تک شائع ہو چکے ہیں۔ اپنی گوناگوں خصوصیات کی بنا پر نہایت ممتاز درجہ رکھتا ہے۔

اس کی طباعت و اشاعت کا فخر جناب صادق علی صاحب دلاوری ایم اے ایلفریڈ پٹیالہ ریسرچ سکالر پنجاب یونیورسٹی لاہور کو حاصل ہے۔ جنہوں نے نہایت جانفشانی اور عرقریزی کے بعد متعدد قلمی نسخوں کی مدد سے اس کو مرتب کر کے شائع کیا ہے۔

ایم فرمان علی بکسیلر پبلشر موہن لال روڈ۔ لاہور

کلمات الشعراء

میر الٰہی

جہانگیر بادشاہ کے زمانے میں ولایت ہمدان سے ہندوستان میں آیا۔ نازک مزاج اور خوش خیال شاعر تھا۔ اس کا دیوان مشہور ہے۔ الٰہی تخلص کی بنا پر تعظیماً اسی کے نام سے ابتدا کی ہے۔ نمونہ کلام ؎

زبس طراوت رویش نمیتوان دانست
کہ شبنم است بگل یا گرہ بہ پیشانی
نیم چو کام از فلک حاصل نشد کاں تنگ چشم
خوشہ ساں در کیسہ پنہاں میکند ہر دانہ را

میرزا جلال اسیر

شرفائے ایران میں سے تھا۔ ہندوستان میں آیا۔ اس کا دیوان مشہور خواص و عوام ہے۔ اس کے کلام کا خاص جوہر دقت آفرینی ہے۔ نمونہ ؎

گفتم غبار وار ز سر کویت نمے روم
دیگر چہ فلک بر سر طاقت کند کسے

میاں ناصر علی اسکے ان دو شعروں کو اکثر پڑھا کرتے اور محظوظ ہوتے

تھے ؎

ہر سوالے کہ نکردیم جوابے دارد　　نکنند فیض ادب رنج خموشی ضائع

ششش جہت مشت غبارے شد وپرواز گرفت
برق جولان کہ در خرمن خاک افتادہ است

(سرخوش فرماتے ہیں کہ مشت غبار کے بجائے مشت شرار زیادہ موزوں ہے)

میرزا ابراہیم ادھم

سید عالی نسب صفوی نژاد ہے شاہجہان بادشاہ کے عہد میں وارد ہندوستان ہوا۔ دیوانہ مشرب اور بیباک آدمی تھا۔ تمام بزرگوں کے ساتھ شوخی سے پیش آتا تھا۔ اس کی طبیعت ایہام گوئی کی طرف زیادہ مائل تھی۔ فقر کی تعریف میں خوب شعر کہا ہے ؎

بعد درویشی اگر ہیچ نباشی شاہی　　ایکہ آرام دل خود بجہاں مے خواہی

نمونہ کلام ملاحظہ ہو ؎

اگر جاں نیے داشتم مردہ بودم　　برائے نثارش ز شرمندگیہا

چمن جویای وصل کیست کز جو در حنا بانش
سراسر مے رود چاک گریباں تا بدامانش

اما فی

خان زمان خلف مہابت خان خانخاناں سپہ سالار۔ طبع رسا رکھتا

تھا ایک رنگین دیوان یادگار چھوڑا ہے۔ نمونہ کلام ہے

گر نیم مائل رخسار تو حیرانی چیست   ور ندارم سر زلف تو پریشانی چیست

در رہ عشق صلاح از من رسوا مطلب   کافر عشق چہ داند کہ مسلمانی چیست

ظفر خان احسن

رکن السلطنت خواجہ ابوالحسن کا فرزند تھا اس کی طبعیت نہایت ہی پاکیزہ تھی۔ ایک دیوان یادگار چھوڑا۔ اکثر کشمیر اور کابل کی صوبیداری پر فائز رہا۔ نظامت کابل کے دوران میں میرزا محمد علی صائب تبریزی اس کے حضور میں آیا اور مدتّ تک اس کی مصاحبت میں رہا۔ خان نے اس کی بڑی قدر دانی کی اور الطاف و عنایات گوناگوں سے سرفراز فرمایا۔

اس نے اساتذۂ شعرا جو اس کے ساتھ روابط آشنائی رکھتے تھے مثلاً صائبؔ، کلیمؔ، سلیمؔ، قدسیؔ، سالک یزدی و قزوینی و دانشؔ و میرصیدی وغیرہ) کا ایک تذکرہ مرتّب کیا۔ جس میں ہر ایک کا منتخب کلام اس کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ شعرا کی تصاویر بھی تھیں۔ سرخوشؔ نے اس کا ایک ورق دیکھا تھا جس پر کلیمؔ کی تصویر تھی۔

نمونہ کلام ملاحظہ ہو

از سبزہ تیغ بر کمر گل بہار بست   گر تو بہ خضر وقت شود جاں نمی برد

زبہر مستیم کہ کار با جام شراب افتد

مرا از گفتگوئے بادہ سرخوش میتواں کردن

عنایت خان آشنا

ظفرخان کا بیٹا تھا۔ انشاء پردازی میں بھی مہارت تامہ رکھتا تھا۔ شاہجہان پادشاہ کے تیس سال کے حالات ملّا حمید وغیرہ کی نسبت زیادہ فصیح زبان میں لکھے ہیں۔ نمونہ کلام ے

بنشیں بگوشۂ اگر آزردۂ ز خلق
پای شکستۂ تو بجای نرفتہ است
در سنگساری ست آسائش
سایہ خوابیدہ قطع راہ کند

آصف قمی

شاہجہان کے عہد حکومت میں ہندوستان آیا۔ ایک مختصر سا دیوان اس کی یادگار ہے۔ نمونہ کلام ے

شعلہ ایم اما زدود دل سیہ پوشیم ما
چوں چراغ لالہ میسوزیم وخاموشیم ما
یک طرف صبح وجود و یک طرف شام عدم
درمیان نور و ظلمت جوہر آئینہ ام

مولوی محمد سعید اعجاز

کمالات صوری و معنوی سے آراستہ ہیں۔ زندگی بھر علوم عقلی و نقلی کی تحصیل میں مصروف رہے۔ ان کا وقت زیادہ تر علم دین کے درس اور افادت و افاصت میں گزرتا ہے۔ کبھی کبھی صفائی ذہن و جودت طبع کی وجہ سے فکر شعر کی طرف بھی مائل ہوتے ہیں۔ اور خوش خیالی اور نازک بندی

کی داد دیتے ہیں۔ ناصر علی کے اس شعر میں بجا تصرف کیا ہے ؎

خیال بیکسی من وفا بیاد کش داد		بجای شمع دل آورد بر مزارم سوخت

آپ نے دوسرا مصرع اس طرح بنا دیا ؎

بجای شمع دل یار بر مزارم سوخت

لاہور سے جاتے وقت ایک عارفانہ مطلع کہا ؎

کشیدہ زجنوں ساغرے کہ ہوش نماند		دگر معاملہ با پیر مے فروش نماند

سرخوش نے بھی اس کے جواب میں خوب مطلع کہا ہے ؎

گداخت حیرت حسن تو ام خروش نماند		چو برگ گل زتنم جز لب خموش نماند

نمونہ کلام ملاحظہ ہو ؎

خمار آلودہ شوخی از چمن برچیدہ دامان شد
شکست رنگ گل مہتاب را چاک گریبان شد
تقاضای ستم گل مے کند از انفعال او
نگاہے کز حیا دزدیدہ شوخی ہائے مژگاں شد

ملّا محمد سعید اشرف

عالمگیر بادشاہ کے مبارک عہد میں ایران سے ہندوستان آیا۔ بادشاہ کی بڑی بیٹی نواب زیب النسا بیگم نے از روی قدردانی اس کی دستگیری کی اور اپنی ملازمت میں لے لیا۔ خوش فکر شاعر تھا۔

اس کی قادر الکلامی کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔ کہ

میں نے اسے میر معز موسوی خان کے مکان پر دیکھا۔ کہ بیٹھا باتیں کر رہا ہے اور ساتھ ساتھ کوئی تازہ مثنوی یا غزل یا رباعی بھی برجستہ طور پر لکھتا جاتا ہے۔ مثنوی قضا و قدر جو سات سو شعروں پر مشتمل ہے اسی طرح دوستوں کی محفل میں فی البدیہہ کہی ہے۔

میرزا صائب، میرزا طاہر وحید اور ایران کے دوسرے اساتذۂ شعرا کے ساتھ اس کی اکثر صحبتیں ہوتی رہتی تھیں۔ نمونۂ کلام ؎

از تغافلہائی پی درپی مگر یارش کنم ۔۔۔ پا زنم چنداں بہ بخت خود کہ بیدارش کنم

چو آں آبلہ کہ شوید طفل دروے مشقی خود را
ہزاراں حرف در ہر قطرۂ اشکے نہاں دارم

محمد ابراہیم انصاف

شعر و شاعری کا مادہ اس کی طبیعت میں مرکوز تھا۔ میر معز کے زمرۂ تلامذہ میں شامل ہوا۔ افسوس کہ عین جوانی میں راہی ملک بقا ہوا۔ نمونہ ؎

نسازد غم بہ بیتاب محبت شادمانی ہم ۔۔۔ گراں باشد بریں بیمار مردن زندگانی ہم

حائل خورشید وحدت رنگ ہستیہای ماست ۔۔۔ چوں زمین از پیش بردارند روز و شب یکیست

میر محمد احسن ایجاد

بخاری سادات میں سے تھا۔ خوش خیالی اور نازک بندی میں یگانۂ روزگار تھا۔ علوم متداولہ میں دستگاہ کامل تھی۔ طرحی غزلیں نہایت

محنت کے ساتھ کہتا تھا۔ نثر میں طرز جدید کا موجد تھا۔ نمونۂ کلام ؎

بسکہ ہر گردید گوشم از صدای عندلیب — بوی گل گر بشنوم دانم نوای عندلیب
گر سراغی گیری از عاشق فغان آئینہ است — در غبار نالہ باشد نقش پای عندلیب

ابوالحسن بیگانہ

ہندوستان میں نہیں آیا۔ اس کا دیوان میں نے میر معزؔ موسویخان کے پاس دیکھا تھا۔ اور اس کے یہ چند شعر بھی میر معزؔ کی زبانی سنے تھے نمونتہً ملاحظہ ہوں ؎

احوال شب از شمع سحرگاہ چہ پرسی — از سوختگاں قصۂ جانکاہ چہ پرسی
مہتاب ز ویرانۂ من گرد بر آورد — ای سیل بسر منزل من راہ چہ پرسی
آئینہ ز عکس تو در آغوش گداز است — آگہ نۂ از حال دلم آہ چہ پرسی

رفیع خان باذل

عالمگیر بادشاہ کے وزیر محمد طاہر کا بھتیجا تھا۔ طبع رسا رکھتا تھا۔ شاہنامۂ فردوسی کی زمین میں کتاب معارج النبوت نظم میں لکھی۔ اس میں نہایت تحقیق سے کام لیا اور حملۂ حیدری نام رکھا۔ یہ کتاب چالیس ہزار شعروں پر مشتمل ہے۔ نمونۂ کلام ؎

عشق را با ہر دلے نسبت بقدر جوہر است
قطرہ بر گل شبنم و در قعر دریا گوہر است

چہ نشاط بادہ بخشد بمن خراب بے تو
بہ دل گرفتہ مانند قدح شراب بے تو

ملّا جامی بیخود لاہوری

بلند مرتبہ شاعر تھا ایک ضخیم دیوان یادگار چھوڑا ہے۔ قصائد بڑی دھوم دھام کے ہیں۔ تاریخ گوئی میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ چنانچہ میرزا اسمٰعیل خلف ارشد جدۃ الملک امیر الامرا اسد خاں المخاطب بہ ذوالفقار خان بہادر نصرت جنگ کی تاریخ تولد ملاحظہ ہو۔

"زبرج اسد روئمود آفتاب"

جب نامدار خاں کا بڑا بیٹا حمزہ مرزا متولد ہوا تو چھ روز تک جشن شاہانہ منایا گیا۔ بیخود ہر روز نیا قطعۂ تاریخ پیش کرتا تھا۔

قصّہ حسن و دل نظم میں لکھا اور اس میں اپنی سخنوری کے خوب جوہر دکھلائے۔ اور اسکو نامدار خان کے نام کے ساتھ منسوب کیا۔ سرخوش کے دوستوں میں سے تھا۔ چنانچہ جب سرخوش نے اپنے لئے سرخوش تخلص تجویز کیا تو پہلے اس کے پاس جاکر اس ارادے کا اظہار کیا۔ وہ بہت خوش ہوا اور فاتحہ خیر کے ساتھ یہ تخلص مقرر کر دیا۔

سرخوش لکھتے ہیں کہ ایکدن نامدار خاں کے بخشی لہراسپ بیگ کے گھر مہمان تھا۔ شراب کا بھرا ہوا دیگچہ اس کے پہلو میں پڑا تھا۔ اور وہ جام پر جام چڑھا رہا تھا۔ اور شعر خوانی میں محو تھا۔ جب لوگ نماز کے

لیۓ اٹھے تو وہ بھی ان کے ساتھ ہو لیا اور با جماعت نماز ادا کی - میں نے پوچھا
استاد صاحب یہ کیسی نماز تھی - فرمایا - بابا پر کیف نماز یہی ہے - اس کے
بعد میرزا لہراسپ بیگ سے کہا - تم نے اس نوجوان کے شعر سنے ہیں؟ میرزا نے
جواب دیا کہ ابھی تک تو مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ طبیعت موزوں رکھتا ہے -
اسکے بعد مجھے ارشاد ہوا - میں نے یہ تازہ مطلع پڑھا ؎

کجاست دیدۂ جویای رہ کجاست ترا　　　وگرنہ ہر مژہ انگشت رہنماست ترا

استاد نے بہت تعریف کی اور کہا کہ ہماری ہزار غزلیں اس شعر کے مقابلے
میں ہیچ ہیں - نمونہ کلام ؎

ہر کس کہ دل از مدار دنیا برداشت　　　عبرت زشمار کار دنیا برداشت
گو بند زمین بر سر گاؤ است بلے　　　گاو است کسے کہ بار دنیا برداشت

میرزا عبدالقادر بیدل

ان کا شمار فارسی کے مسلم الثبوت اساتذۂ شعرا میں ہوتا ہے نہایت پرگو
ہیں - آج دارالخلافہ میں ان کا کوئی عدیل و نظیر نہیں - متعدد دیوان اور
مثنویاں اور نثریں لکھی ہیں اور ان میں معنی آفرینی اور نازک خیالی کی خوب
داد دی ہے - بڑے خوش خلق ہیں - ان کے چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

بر روی ما چو صبح نہ رنگے شکستہ است　　　گردی زدامن طپش دل نشستہ است
بالاف ہمت از مدد عجز مے زنیم　　　پرواز ما چو رنگ بہ بال شکستہ است

اپنی اس رباعی کو پڑھ کر بہت محظوظ ہوتے ہیں ؎

ہر چند طلب بصد فنون است اینجا — دریوزۂ دیدار جنون است اینجا

از ہیبت چشم و مژہ غافل نشوی — دستی دگر از کاسہ برون است اینجا

سرخوش فرماتے ہیں کہ میں میاں ناصر علی کے اشارے سے شوخی کے طور پر میرزا بیدل کے چند شعروں میں تصرف کر کے ان کو مطلع بنا دیا۔ اگرچہ میرزا بیدل کو نہایت ناگوار گزرا لیکن یاران منصف نے بہت پسند کیا۔ مثلاً میرزا صاحب کا شعر ہے ؎

بہ فرصت نگہی آخر است تحصیلم — برات رنگم و برگل نوشتہ اند مرا

سرخوش ؎

ز بے ثباتی عشرت سرشتہ اند مرا — برات رنگم و برگل نوشتہ اند مرا

میرزا بیدل ؎

شخص پیری نفی ہستی میکند ہشیار باش — صورت قد دوتا آئینہ ترکیب لاست

سرخوش ؎

جلوہ گاہ نقش پیری تختۂ مشق فناست — صورت قد دوتا آئینہ ترکیب لاست

میں نے میرزا محمد علی ماہر کی زبانی سنا ہے کہ زلالی کو ایک دفعہ صحرا میں رات بسر کرنی پڑی۔ شدت کی سردی پڑ رہی تھی۔ اچانک آگ بجھ گئی۔ ایک شخص لکڑیاں لینے گیا۔ اس کا گذر قبرستان کی طرف ہوا۔ وہاں ایک تابوت دکھائی دیا اس نے وہی اٹھا لیا۔ راستے میں کسی نے پوچھا کہ عزیزوں میں سے کون مر گیا ہے؟ اس نے کہا آگ۔ پس زلالی نے اس تمام واقعہ کو ایک رباعی میں

بیان کر دیا اور اس پر وہ ہمیشہ فخر کرتا رہا ؎

شبی رندی در ایام زمستان
بسر تابوت می بردی شتابان

یکی پرسید ازو کاے یار دلکش
کہ مردہ از عزیزان؟ گفت آتش

مولانا سرخوش فرماتے ہیں کہ میں نے بھی کتاب منطق الطیر شیخ فرید الدین عطار کا مفہوم ایک رباعی میں بیان کیا ہے۔ ملاحظہ ہو ؎

سی مرغ زشوق بال و پر بکشودند
در جستن سیمرغ ہوا پیمودند

کردند شمار خویش چوں آخر کار
دیدند کہ سیمرغ ہم اینہا بودند

چندربھان برہمن

طبیعت موزوں رکھتا تھا اس کے اشعار میں قدما جیسی شستگی اور صفائی پائی جاتی ہے انشاء پردازی کا ملکہ بھی رکھتا تھا۔ ایک دفعہ دربار میں اسے شعر خوانی کا حکم ہوا اس نے یہ شعر پڑھا ؎

مرا دلیست بکفر آشنا کہ چندیں بار
بکعبہ بردم و بازش برہمن آوردم

شاہجہان بہت غضبناک ہوا اور کہا کہ اس بدبخت کافر و مرتد کو تہ تیغ کر دینا چاہیے۔ افضل خان نے عرض کیا۔ کہ شیخ سعدی کا یہ شعر اس کے حال کے مناسب ہے ؎

خر عیسے اگر بہ مکہ رود
چوں بیاید ہنوز خر باشد

شاہجہان ہنس پڑا اور اس کو دربار خاص سے نکال دیا۔

بهونت رای بیغم بیراگی

علائق دنیوی سے وارستہ اور قید ما و منی و تو ئی سے آزاد ہے۔ فقیر دستہ خوش اکا شاگرد ہے اور روز بروز و ہ ترقی ہے۔ نمونہ کلام ۔

در فضای عشق جاناں بوالہوس را کار نیست
ہر سری شائستہ سنگ و سزای دار نیست

دل چو شد بیکار دست از کار باید داشتن
کار در بیکاری دل بود و دیگر کار نیست

مرا ابرو کمانی میکشد در بر و لے ترسم ۔ کہ ایں در برکشیدنہا چو ناوک در م اندازد

ملّا علی رضا تجلّی

شاہجہان کے عہد حکومت میں شیراز سے ہندوستان میں آیا۔ شیریں بیان و خوش فکر شاعر تھا۔ اس کے قصیدے اور غزلیں اور مثنویاں لاجواب ہیں۔ نمونہ کلام ۔

در قطرہ قطرہ خونم پیکار آبدار است ۔ چوں استخواں کہ پنہاں در دانہ انار است
چکید بد اشکم از دیدہ لخت دل با اشک ۔ برنگ شعلہ کہ با روغن از چراغ چکید

محبت شمع فانوس است کے پوشیدہ مے ماند
غم او عاقبت در پردہ رسوا مے کند ما را

عبداللطیف خان تنہا

میرزا جلال اسیر کا بھانجا اور صوبہ پنجاب کا دیوان تھا۔ شعر گوئی کے علاوہ انشاء پردازی کا بھی ملکہ رکھتا تھا۔ نمونہ کلام ؎

بارم بکنج غمکدہ تنہا نشاند و رفت
گفتم کہ من غبار تو دامن فشاند و رفت

خشکی زاہد شود از گریہ رسوا بیشتر
میشود از بارش دی جوش سرما بیشتر

میر مفاخر حسین ثاقب

میر محمد زمان راسخ کا چچا اور سیدالنسل تھا۔ طبیعت میں شاعری کا فطری ملکہ تھا۔ سرہند میں سکونت اختیار کی اور وہیں داعی اجل کو لبیک اجابت کہا۔ نمونہ کلام ؎

زبسکہ طاعت آلودہ با گناہ کنم
بسجدہ ہمچو نگیں نامہ را سیاہ کنم

قطع امید وہد قوت بازوئے طلب
بہ پر ریختہ پرواز تواں کرد اینجا

جہانگیر بادشاہ

مستی و بے پروائی اور سلطنت و فرمانروائی کے باوجود کبھی کبھی کوئی رباعی یا بیت یا مصرع کہہ لیتا تھا۔ اس کی طبیعت میں بلندی، دشوار پسندی اور دقت آفرینی بہت تھی۔ کہتے ہیں کہ ایک دن کوئی شاعر بادشاہ عالیجاہ کی تعریف میں قصیدہ کہہ کر لایا۔ جب مطلع پڑھا ؎

اے تاج دولت بر سرت از ابتدا تا انتہا

جہانگیر نے پوچھا۔ تو عروض و وزن و تقطیع سے واقف ہے؟ اس نے کہا۔ نہیں۔ فرمایا اگر تو علم عروض سے آگاہ ہوتا تو میں تجھے تہ تیغ کر دیتا۔ شاعر سخت پریشان اور بد حواس ہوا کہ معلوم نہیں کیا سزا سرزد ہو گئی۔ بادشاہ نے فرمایا کہ اس مصرع کی تقطیع یوں ہوتی ہے :-

اے تاج دو	لت بر سرت	از ابتدا	تا انتہا
مستفعلن	مستفعلن	مستفعلن	مستفعلن

ایک دفعہ خانخاناں نے ملا جامی کا یہ مصرع بطور طرح مقرر کیا ؎

بہر یک گل منت صد خار مے باید کشید

جہانگیر باغ میں بیٹھا تھا۔ سیاہ گھٹا تلی کھڑی تھی۔ مے نوشی کا وقت تھا۔ فی البدیہہ یہ مطلع فرمایا ؎

جام می را بر رخ گلزار مے باید کشید   بہر یک گل منت صد خار مے باید کشید

ایک دفعہ عید کا چاند دیکھ کر یہ مصرع فرمایا ؎

ہلال عید بر اوج فلک ہویدا شد

نور جہاں بیگم بھی طبع موزوں رکھتی تھی اس نے دوسرا مصرع لگایا ؎

کلید میکدہ گم گشتہ بود پیدا شد

ایک دفعہ بادشاہ نے قبا پہنی جس کے بٹن لعل کے تھے۔ بیگم نے کہا ؎

ترا نہ تکمۂ لعل است بر لباس حریر   شدہ ست قطرۂ خون منت گریباں گیر

بادشاہ نے یہ شعر بہت پسند فرمایا۔

غرض جہانگیر کا زمانہ عیش و عشرت کا زمانہ تھا۔ رعایا خوشحالی اور فارغ البالی تھی۔ ایک دن شکارگاہ میں بوزخاصہ نے سیاہ ہرن مارا۔ بادشاہ نے زبان مبارک سے فرمایا ؎

چیتہ بادشاہ زد کالہ

ابوطالب کلیم حاضر تھا اس نے دوسرا مصرع لگایا ؎

گشت صحرا ز خون او لالہ

بادشاہ نے فوراً پنجہزار روپیہ عطا کیا۔

(۱) سرخوش فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے زمانے کے ایک صاحب ہمت ہمت خان کی مدت تک خدمت کی اور اس کی مدح میں ساقی نامہ اور خمخانہ وغیرہ بلند مرتبہ مثنویاں کہیں۔ ایک روز اس نے مہربان ہو کر فرمایا۔ کہ چوبدار جاکر میرزا سرخوش کا مکان دیکھ آئے ہم خلعت اور ایک گھوڑا بھیجیں گے۔ اور دوسرے دن اس ارشاد کو فراموش کر دیا۔ میں چند روز گھر سے باہر نہ نکلا کہ مبادا چوبدار خلعت وغیرہ لے کر آئے اور یونہی واپس چلا جائے۔ آخر کار معلوم ہوا کہ انہوں نے بھی اس ترک کے قول پر عمل کیا ہے۔ جس کی تعریف میں ایک شاعر نے سر مجلس قصیدہ پڑھا تھا۔ ترک بہت خوش ہوا اور کہا کل میں تجھے چند من غلہ دونگا۔ شاعر خوشحال واپس لوٹا اور دوسرے دن ایک گدھا ساتھ لے کر غلہ لانے کے لئے گیا۔ ترک غضبناک ہو کر بولا۔ تو عجیب بیوقوف ہے تو نے بھی مجھے باتوں سے خوش کیا تھا میں نے بھی تجھے اپنی بات سے خوش کر دیا۔ غلہ کیسا؟

پس میں نے بھی ایک رباعی کہہ کر اسے رسوائے عالم کر دیا۔ رباعی ؎

اے پنجۂ تو زدامن ہمت دور — ہر دولت بے فیض دماغت مغرور

بے ہمتی و نام تو ہمت خان است — برعکس نہند نام زنگی کافور

(۲) عاقل خان صوبۂ شاہجہان آباد کا ناظم تھا۔ جب اس کے منصب میں اضافہ ہوا تو میں قصیدہ تہنیت گزرانا۔ اس کو پڑھ کر اس پر گویا خاموشی مرگ طاری ہو گئی۔ چنانچہ میں نے بھی اس کی ہجو میں چند قطعے لکھے ایک مطلع ملاحظہ ہو ؎

خان عاقل خطاب جاہل دل — کہ چوں اونیست عاقل و نادان

(۳) ہمارے زمانے اہل سخاوت میں سے ایک اور بزرگ خواجہ بختاور خان تھا۔ اس نے دہلی کے قریب ایک سرائے آباد کی اور بختاور نگر نام رکھا۔ اور پایۂ تخت کے تمام شعرا کو قطعہ تاریخ لکھنے کے لئے کہا۔ لیکن کسی کا قطعہ بھی پسند نہ ہوا۔ آخر کار میں (سرخوش) نے خاطر خواہ تاریخ کہی جو بادشاہ اور تمام امراء نے پسند کی اور وہی تاریخ سرای کے کتبے پر کندہ کی گئی۔

ایک روز میں نے خوش طبعی کی بنا پر کہا کہ اس سرای پر جتنی رقم خرچ ہوئی ہے اس کا چوتھائی حصہ مجھے ملنا چاہیئے۔ اس نے جواب دیا کہ سرای کی تعمیر سے غرض بقائے نام ہے۔ روپیہ ہم نے خرچ کیا مگر اس میں تمہارا نام بھی شریک ہے پس نصف رقم تم سے لینی چاہیئے۔

ایک دن میں نے ایک نہایت عمدہ رباعی پیش کی۔ تو فرمایا کہ یہ محض اتفاق ہے۔ ان تمام باتوں کے باوجود میں اس کی وفات کی تاریخ کہی۔

یہ واقعہ اس قصہ کے مانند ہے کہ ایک شاعر نے کسی دولتمند کی مدح میں قصیدہ کہا۔ لیکن کوئی صلہ نہ ملا۔ پھر چند مثنویاں اور قطعات گزرانے لیکن اس کے دست جود و سخاوت کو جنبش نہ ہوئی۔ یہانتک کہ شاعر اس کے دروازے پر بیٹھ گیا۔ دولتمند نے کہا تو عجیب حریص آدمی ہے۔ تو نے پہلے قصیدہ کہا، پھر مثنوی کہی اس کے بعد قطعہ کہا لیکن بیسود۔ اب کس امید پر میرے دروازے پر بیٹھا ہے۔ اس نے کہا اسلیئے کہ تو مرے تو تیرا مرثیہ بھی کہوں۔

سرخوش نے زمانہ کی ناقدردانی کی شکایت میں اور بھی چند واقعات بیان کئے ہیں۔ لیکن یہاں انہی تین واقعات پر اکتفا کی جاتی ہے۔

میرزا محمد ایوب جودت

میرزا سرخوش نے ان کو "سرآمد صاحب کمالاں و سرحلقۂ سخنوراں" لکھا ہے۔ ان کا کلام بلند مضامین و مطالب پر مشتمل ہے۔ قصیدہ، غزل، رباعی تمام اصناف سخن میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ نمونہ کلام ؎

چہ امکاں وارداز لعل تمنا گر مطلب ہا | شرار آتش یاقوت باشد حرف آں لبہا
کیست کز جادہ چاک جگر آگاہ بود | ورنہ تا دوست رسیدن چہ قدر راہ بود

حکیم حاذق

بادشاہ کے معتمدین میں سے تھا۔ ایک ضخیم دیوان مرتب کیا اس کے

کلام میں قدما کی جھلک نمایاں ہے۔ اس کے حسب ذیل اشعار لطف و درد سے لبریز ہیں ؎

دلم بہیچ تسلّی نمی شود حاذق بہار دیدم و گل دیدم و خزاں دیدم
نمود فاش بد انساں کہ گوشہا نہ شنید سکوت من سخن نارسیدہ بر لب را

میر حشمتی

مجھے اکبر آباد میں ایک رات اس کے ساتھ ملاقات کا اتفاق ہوا۔ ایک ضخیم دیوان رکھتا ہے۔ کلام میں قدما کا رنگ نمایاں ہے۔ ایک دن مجھ سے کہا۔ میر تو نے کہیں شعر میں "شکستہ بند" استعمال کیا ہے۔ میں نے جواب دیا کہ تمہاری گردن ٹوٹ جائے تو شکستہ بند لاؤں۔ نمونہ کلام ؎

موی سر کردم سفید و ہیچ کارم سر نشد دست و پای میزنم اکنوں کہ آب از سر گذشت

محمد بیگ حقیقی

گجرات میں پیدا ہوا۔ اس کی طبیعت میں شعر گوئی کا مادہ فطری طور پر مرکوز تھا۔ فرمایا ؎

در حقیقت دگرے نیست خدائیم ہمہ لیک از گردش یک نقطہ جدائیم ہمہ

بعض اساتذہ نے اس کا جواب کہا۔ چنانچہ محمد فاروق باری کا مطلع ہے ؎

قطرہ بگریست کہ از بحر جدائیم ہمہ بحر بر قطرہ بخندید کہ مائیم ہمہ

کہتے ہیں کہ ایک روز مستی کی حالت میں گھر آیا۔ وہاں پریاں رہتی تھیں۔ اس کے ہاتھ میں سبز پیالہ تھا جس میں سرخ شراب تھی۔ اس نے شیشے پر نگاہ ڈالی اور کہا ؎

چہ رنگ است ایں چہ رنگ است ایں چہ رنگ است

گھر کے ایک گوشہ سے جہاں کوئی شخص نہ تھا۔ آواز آئی ؎

یہ مینائے زمرد گوں مے لعل

چنانچہ تمام حاضرین مجلس نے یہ آواز سنی۔

محمد ابراہیم خلیل

محمد ابراہیم اصالت خان خلف سیّد مظفّر وزیر اعظم والی حیدر آباد۔ خلیل تخلص کرتا تھا۔ طبیعت نہایت موزوں تھی۔ سرخوش کے ساتھ دوستانہ مراسم تھے ؎

قطرۂ خورشید را حکم چکیدن دہیم ‏— تشنہ لب عشق را ذوق چشیدن دہیم

عشق بیش از تیغ تیزی کردہ است ‏— بے قیامت رستخیزی کردہ است

ایک دن اس کے بڑے بھائی نجابت خان نے اس کو خط میں یہ شعر لکھا ؎

دو نعمت است کہ بالا ترین نعمتہا ست ‏— شراب خوردن و در پائے یار غلطیدن

اس نے مجھے بلایا۔ میں نے دیکھا کہ شراب سے مست ہے اور سبزہ تر پر لوٹ رہا ہے۔ مجھے دیکھ کر کہا کہ اس شعر کا جواب جلدی کہنا چاہیئے تاکہ میں اپنے بھائی کو لکھوں۔ میں نے فی البدیہہ کہا ؎

خوش است جام می ناب با تو نوشیدن ؏ چو گل شگفتن بر روئے سبزہ غلطیدن
بغافلان طرب برق چشمکی زد و گفت ؏ برون نرفتہ ز خود ناخوش ست خندیدن
یک از فوائد عزلت خود این سر دست ست ؏ کہ پاشکستہ نیارد پیادہ گردیدن

میرزا خلیل

جوان قابل اور خوش خلق تھا انشا پردازی کا مادہ اس کی فطرت میں تھا۔ ایک عرصہ تک نواب قدسی القاب زیب النساء بیگم خلف شاہ عالمگیر کی خدمت میں ملازم رہا۔ بیگم موصوف کی تالیف زیب المنشآت کو مرتب کیا۔ نمونہ ؎

حاجت بگفتگوی ندارد زبان ما ؏ سوزد چو شمع بر سر حرفی زبان ما
سامان نو بہار بایں تازگی کجاست ؏ رنگ شکستہ ریختہ دارد خزان ما

ایک رات فقیر (سرخوش) نے خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ ہاتھ میں عصا لئے ہوئے ہیں میرزا خلیل مجھے ان کی ملازمت میں پیش کر رہا ہے۔ کہ حضور یہ سرخوش شاعر ہے۔ میں نے میرزا سے پوچھا۔ یہ کون بزرگ ہیں۔ جواب دیا کہ حضرت مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ۔ میں نے بھاگ کر ان کے پائے مبارک پر سر رکھ دیا۔ انہوں نے میری پیٹھ پر ہاتھ رکھا، میرا سر اٹھایا اور فرمایا کہ سرخوش تیرے عہد میں تیرے جیسا کوئی شاعر نہیں ہوگا۔

محمد حسین خالص

عہد عالمگیری میں ایران سے ہندوستان میں آیا۔ زیادہ تر دکن میں مقیم

رہا۔ قصائد، مثنوی اور ایک مختصر دیوان ہے اشعار میں پختگی پائی جاتی ہے۔ لیکن طرزِ قدیم کی جھلک نمایاں ہے۔ اس کے مندرجہ ذیل اشعار قوال اکثر گاتے ہیں ؎

غبارِ راہ گشتم سرمہ گشتم تو تیا گشتم | بچندیں رنگ گشتم تا بہ چشمش آشنا گشتم
بہر صورت کہ گردیدم نبردم راہ درکویش | نوای بلبل و بوی گل و بادِ صبا گشتم

نواب عبدالرحیم خانخانان

خلف بیرم خاں خانخانان۔ بارگاہ اکبری و جہانگیری کے امرائے عظام میں سے تھا۔ شجاعت و ملک گیری میں یگانہ اور بخشش میں حاتم زمانہ تھا۔ فہم و فراست میں ضرب المثل اور دقیقہ یابی و ادا فہمی میں بے بدل۔ دادِ سخن ایسے انداز سے دیتا تھا کہ کسی نے آجتک نہیں دیکھا۔ جود و کرم میں ایسی مثالیں قائم کی ہیں کہ کسی نے نہیں سنیں۔ چنانچہ اس کی بخشش کے مداحوں کی تفصیل میر عبدالباقی نے کتاب "مآثر رحیمی" میں دی ہے۔ شیخ فیضی بخشی الممالک اکبر بادشاہ نے اس کی تعریف میں فرمایا ہے ؎

خانخانان عہد کانعامش | طبع را رخصت سخن گفتن داد
داشت چوں اعتماد بر شعرا | صلہ پیش از مدیح گفتن داد

اس زمانے کے تمام شعرا اس سپہ سالار جواں بخت کی مدح میں رطب اللسان ہیں۔ خوشامد گویوں نے ہندی زبان میں اس کی مبالغہ آمیز تعریفیں کر کے گرانقدر صلے پائے ہیں۔

خانخاناں خود بھی کبھی کبھی طبع آزمائی کرتا تھا اور کوئی رباعی یا شعر یا دوہرہ وغیرہ کہہ لیتا تھا۔ اس کے اشعار "کلام الملوک ملوک الکلام" کی زندہ مثال ہیں نمونہ ملاحظہ ہو ؎ رباعی

اندیشۂ عشق وخون دل یکجا بہ ... در قصۂ عشق مرد ناگویا بہ
ہمچو شب قدر وصل ناپیدا بہ ... تا قدر وصال دوست ظاہر گردد

ولہٗ ؎

بس است ہمچو منی را خیال ہمچو توئی ... نیم فضول کہ جویم وصال ہمچو توئی

ہرخوش نے اس شعر کے جواب میں کہا ہے ؎

بود ز خویش گزشتن کمال ہمچو توئی ... کجاست درک حقیقت محال ہمچو توئی

اب یہاں خانخاناں کے جود وکرم کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:۔

(۱) ایک مفلس وبینوا برہمن نے کسی مقرب بارگاہ کی وساطت سے عرض کیا کہ میں اور تو (خانخاناں) دونوں ہمزلف ہیں۔ پھر تو میرے حال سے اسقدر غافل کیوں ہے۔ خانخاناں نے یہ سن کر اسے بلایا، اپنے پہلو میں بٹھایا اور خیریت پوچھی۔ رخصت کے وقت اس قدر نقد وجنس عطا کی کہ وہ ورطۂ افلاس سے نکل کر خوشحال ہو گیا۔ مقربین نے التماس کیا کہ یہ ہندو آپ کا ہمزلف کیسے ہو سکتا ہے۔ فرمایا کہ سمپدا اور بپتا دونوں بہنیں ہیں۔ سمپدا تونگری سے عبارت ہے اور وہ میرے عقد نکاح میں ہے اور بپتا یعنی مفلسی اس کے حبالہ میں ہے۔

(۲) کہتے ہیں کہ ملا نوعی نے خانخاناں سپہسالار کی مدح میں قصائد

اور ساقی نامہ کہا اور بارہا گرانبہا صلات و انعام حاصل کئے - ایک مرتبہ دس ہزار نقد، خلعت خاصہ، ایک ہاتھی اور ایک عراقی گھوڑا عطا ہوا۔

(۳) جہانگیر نے ایک بھاٹ کو کسی تقصیر کی بنا پر ہاتھی کے پاؤں تلے ڈالنے کا حکم دیا - بھاٹ نے فریاد بلند کی کہ بادشاہ سلامت میں ایک کمزور اور حقیر بھاٹ ہوں ہاتھی کے پاؤں کے لائق نہیں - مجھے بلبل یا چڑیا یا ممولے کے پاؤں ڈالنا چاہیئے - ہاتھی کے پاؤں تلے ڈالنے کے قابل خانخاناں ہے - بادشاہ ہنسا اور اس کو معاف کر دیا - خانخاناں نے سنا تو اس بھاٹ کو چند ہزار روپے بطور انعام عنایت فرمائے۔

(۴) ایک دفعہ خانخاناں دستر خوان پر بیٹھا تھا - ایک خدمتگار پاس کھڑا مورچھل ہلا رہا تھا - ناگاہ وہ رونے لگا - خانخاناں نے سبب دریافت کیا تو بولا کہ میں زمانہ کے انقلابات پر آنسو بہا رہا ہوں - خانخاناں مہربانی سے پیش آیا اور امتحان کے طور پر پوچھا کہ اگر تو امیرزادہ ہے تو بتا کہ مرغ کا کونسا عضو زیادہ لذیذ ہوتا ہے - اس نے جواب دیا کہ مرغ کی کھال - نواب رحیم دل نے اسے کھانے میں اپنے ساتھ شریک کیا - اور گوناگوں عنایات سے سرفراز فرمایا - کچھ عرصہ بعد ایک اور خدمتگار نے پہلے کی تقلید کی - نواب نے استفسار کیا تو وہی جواب دیئے - نواب نے کہا اگر تو سچ مچ امیرزادہ ہے تو بتا کہ گائے کے گوشت کا کونسا حصہ زیادہ لذیذ ہوتا ہے اس نے کہا - گائے کی کھال - خانخاناں ہنسا اور اسکو بھی عنایات سے محروم نہ کیا -

میرزا رضی دانش

شاہجہان بادشاہ کے عہد حکومت میں ہندوستان میں آیا اور مدت قلیل

میں تمام اقران و امثال سے گوئے بلاغت لے گیا۔ نہایت خوش فکر، صاحب تلاش اور معنی یاب تھا۔ شاہزادہ بلند اقبال ولیعہد بادشاہ نے اس کے اس شعر کو پسند کر کے طرح مقرر کیا ؎

تاک را سیراب کن اے ابر نیساں در بہار
قطرہ تا دریا تواند شد چرا گوہر شود

ہر شخص نے اس کے جواب میں طبع آزمائی کی۔ شاہزادہ نے بھی ایک شعر کہا ؎

سلطنت سہل ست خود را آشنائے فقر کن
قطرہ تا دریا تواند شد چرا گوہر شود

نمونہ کلام ملاحظہ ہو ؎

رفتی و از اشک بلبل بر چمن طوفاں گزشت
روز ہر گل چوں چراغان شب باراں گزشت

خدا از دست دشمن کار محتاجاں بروں آرد
خم مے محتسب بشکست و عید بادہ خواراں شد

میرزا رفیع دستور

عہد جہانگیری کی ابتدا میں وفات پائی۔ سخنوری و نکتہ سنجی میں دستور العمل تھا ایک رباعی ملاحظہ ہو ؎

ای درد تو ام قرین قرین را چہ کنم
وی پردۂ روی تست وین را چہ کنم
زاندیشۂ غیر تو تہی سازم دل
فکر تو حجاب تست این را چہ کنم

عاقل خان رازی

آغاز جوانی میں مشق سخن کر کے مثنوی مولوی کی تقلید میں ایک کتاب مرقع لکھی اور اس میں مطالب و معانی بلند بیان کئے۔ اسکے چند تصنیفات اور بھی ہیں لیکن وہ چنداں وقعت نہیں رکھتیں۔ نمونہ کلام ؎

تنہا نشستہ ایم و طلبگار چوں خودیم مکتوب اشتیاق بہ عنقا نوشتہ ایم

عشق کہ آساں نمود آہ چہ دشوار بود

ہجر کہ دشوار بود آہ چہ آساں گرفت

میرزا حسن بیگ رفیع

نذر محمد خاں والی توران کے حضور میں منشی گری کے عہدے پر مامور تھا۔ جب ہندوستان میں آیا تو شاہجہان نے اس کو پانصدی منصب پر سرفراز کیا عالمگیر کے عہد میں کشمیر کا دیوان بیوتات مقرر ہوا۔ آخر کار دار الخلافہ میں وفات پائی۔ جب بادشاہ اس کو کسی خدمت پر نامزد کر کے کہیں بھیجتا تو فوراً ہی تبدیل کر کے اپنے حضور میں بلا لیتا۔ اس نے یہ شعر گزرانا ؎

یک زماں فاصلۂ نیست سفرہائے مرا رفتن و آمدن من بہ نفس مے ماند

اپنے اس شعر پر اسے بہت فخر تھا ؎

عمر گر خوش گزرد زندگی خضر کم ست ور بناخوش گزرد نیم نفس بسیار ست

میر معز نے اعتراض کیا کہ بناخوش درست نہیں۔ یا ناخوش ہونا چاہیے یا بناخوشی۔ میرزا نے یہ سن کر "بتلخی گزرد" بنا دیا۔ لیکن شعر کا مزہ جاتا رہا۔

باغ حیات بخش کے انار کی تعریف میں کہا ہے ؎

انار دلکش آں تازہ بستاں بود بے دانہ ہمچو نار پستاں

نواب علیۃ العالیہ بیگم نے خوش ہو کر پانصد روپیہ عطا کیا۔ نمونہ ؎

خوشم کہ غیر نگنجد میانۂ من و تو چو خاتم دو نگین است خانۂ من و تو

اے جرس ایں ہمہ فریاد ز دل تنگی چیست

شکرہا کن کہ دلت جای طپیدن دارد

میر محمد علی رائج

سیالکوٹ کے سادات میں سے تھا۔ قلندر وضع، آزاد مشرب، کلام میں پختگی پائی جاتی ہے۔ نمونہ ملاحظہ ہو ؎

جز ہوائی نبود این ہمہ ما و من ما | خالی از تن چو حباب آمدہ پیراہن ما
گر چہ بے صفحۂ وحدت نتواں بست نقش او | ز رنگ خود مصور رنگ این تصویر می ریزد

سید محمد زمان راسخ

طبع عالی اور فکر رسا رکھتا تھا۔ معنی یابی اور نازک بندی میں عدیم المثال تھا۔ اور صفائی ذہن و حدت طبع میں یگانۂ روزگار۔ میر معز وغیرہ سب اس کے کلام کو پسند کرتے تھے۔ اس کے اشعار عیوب سے بالکل مبرا ہیں۔ سرخوش

باندک تلخی اندوہ عشرت ہا بسے ارزد | بہ تشویش خلال این نعمت دنیا بسے ارزد

میر نے سن کر کہا۔ لفظ تلخی موزوں نہیں۔ پھر ذرا غور کر کے اسے کاوش سے بدل دیا۔ فقیر (سرخوش) اس اصلاح کی وجہ سے اسے اپنا استاد مانتا ہے۔ اس نے شہر پٹنہ میں وفات پائی۔ سرخوش نے تاریخ کہی ؎

چو تاریخ وفاتش دل از عقل خواست | خرد گفت با دل کہ راسخ بمرد

نمونہ کلام ملاحظہ ہو ؎

جامۂ صبر بہ بالای جنوں تنگ آمد | ہر چہ از دست بر آمد بہ گریباں کردیم
اثر بنالۂ عاشق ز اضطراب خود ست | چو برق جوہر تیغم ز پیچ و تاب خود ست
ہر دم خوش ست از جام شراب تشنہ لبی | جبین بادیہ را صندل از سراب خود ست

ملّا رضوان

ایران سے آکر لاہور میں وطن اختیار کیا۔ نمونہ کلام ؎

اگر ساقی کمر در خدمت میخانہ می بندد
کہ چون نرگس بہر انگشت خود پیمانہ می بندد

حاجی محمد جان قدسی نے اس شعر کا جواب کہا ہے ؎

یکجام خمارم نبرد کاش چو نرگس
بودے بہر انگشت مرا ساغر دیگر

محمد قلی سلیم

شاہجہان کے عہد حکومت میں ایران سے ہندوستان میں آیا اور نواب اسلام خاں وزیر اعظم کی ملازمت میں زندگی بسر کی۔ نہایت خوشگو شاعر تھا۔ نمونہ ملاحظہ ہو ؎

چشم تو ز بیماری خود بر سر ناز است • مژگان تو ہمچون شب بیمار دراز است
تواں از وا نہائے سبحہ دانست
کہ دلہا را بدلہا ہست راہے

سالک یزدی سالک قزوینی

دونوں ہمعصر تھے۔ شاہجہان بادشاہ کے عہد میں ہندوستان میں آئے۔ تازہ گوئی اور معنی آفرینی میں دونوں کامل اور استاد فن تھے۔ لیکن اتنی غیرت نہ تھی کہ دو آدمی ایک ہی تخلص کرتے ہیں۔ سالک یزدی کا نمونہ کلام ؎

شکست شیشۂ خاطر ز ساغرم پیداست
چو لالہ داغ دل از کاسۂ سرم پیداست
جواب نامۂ من غیر نا امیدی نیست
ز دست سودن بال کبوترم پیداست

نمونۂ کلام سالک قزوینی سے

چین بر جبین ز جنبش ہر خس نمے زنند
دریا دلاں چو آب گہر آرمیدہ اند

قافلان بیگ سپاہی

خوش فکر شاعر تھا۔ ایلچی ہند کے ہمراہ ایران گیا اور مدت تک صائب وغیرہ کے ساتھ ہم صحبت رہا۔ صائب کے اس شعر کی بالمشافہہ تعریف کی سے

مجنوں بہ بگ بادیہ غم ہائے دل شمرد
یاد زمانۂ کہ غم دل حساب داشت

نمونہ کلام سے

ازاں میاں کہ تو داری گزشتن آساں نیست
ز دجلہ گر گزری آب تا کمر باشد

حاجی محمد اسلم سالم

عمدۂ اعظم شاہ عالی جاہ کے ملازمین میں سے تھا۔ نہایت خوش فکر اور معنی یاب تھا یہ شعر اس کے خیال بلند کا آئینہ ہے سے

نہ بازد بہ وفا دوبارہ دست جور ظالم را
ہماں پیش ست پیکاں زہوا چوں تیر برگردد

فقیر مہر خوش نے بھی یہ مضمون باندھا ہے بلکہ تیر پر تیر چلایا ہے سے

کیا بچم می کند دری پرستی ہمت مینا
کہ گر یک ساغرش کمتر دہی زنار مے بندد

میر سید علی سید

سید تخلص کرتا تھا ایران میں میر کے ساتھ طرحی غزلیں کہیں۔ اس کی مشق سخن میر معز سے کم نہ تھی۔ نمونہ کلام سے

مرا افگند وحشت ہای عشق او بصحرائے
کہ از مژگان شیراں سبزہ باشد آہوانش را

ملّا سیرابی

جہانگیر بادشاہ کے زمانے میں ہندوستان میں آیا۔ خوش طبع اور خوش فکر شاعر تھا۔ کہتے ہیں کہ ایک دن نواب قلیچ خان کی مجلس میں حاضر تھا۔ نواب نے فرمایا کہ ملّا سیرابی! ہم بھی شعر کہا کرتے ہیں۔ تم نے ہمارا کلام سنا ہے۔ ملّا صاحب نے نفی میں جواب دیا۔ نواب نے فوراً اپنی بیاض منگوائی اور چند بے سرو پا غزلیں پڑھیں۔ سیرابی نے چند مقامات پر اعتراض کیے۔ نواب ناراض ہو گیا اور اسے بے نقط سنانی شروع کیں۔ شاعر چپکا بیٹھا رہا۔ پھر اٹھا۔ اور عرض کیا کہ نواب صاحب! حضور کی یہ نثر نظم سے زیادہ بہتر ہے۔ نمونہ ؎

در چشم ترم رنگ جہاں برق و سراب است
تا دیدہ بہم بر زنم ایں خانہ خراب است
مژگان من از گریۂ بسیار فرو ریخت
آخر فتد آں نخل کہ نزدیک بآب است

حکیم سرمد

مجذوب وضع اور سرو پا برہنہ تھا۔ مذاق تصوّف سے پوری آشنائی رکھتا تھا۔ کبھی کبھی کوئی رباعی کہہ لیتا تھا۔ شاہزادہ دارا شکوہ موحد ہونے کی وجہ سے اسے بہت عزیز رکھتا تھا۔ بادشاہ کے سامنے اس کی تعریف کی۔ بادشاہ نے عنایت خاں آشنا کو اس کے کشف و کرامات کی تحقیق و تفتیش کے لئے بھیجا۔ خان موصوف نے واپس جا کر اس کی کرامات کے بارے میں یہ شعر پڑھ کر سنایا ؎

بر سرمد برہنہ کرامات تہمت است
کشفے کہ ظاہر ست ازو کشف عورت است

اوائل جلوس عالمگیر شاہ میں الحاد و عریانی کے سبب سے علما کے فتویٰ سے قتل ہوا۔ نمونہ کلام ؎

سرمد کہ ز جام عشق مستش کردند
بالا بردند و باز پستش کردند

مے خواست خدا پرستی و ہشیاری
مستش کردند و بت پرستش کردند

سرخوش

خاکپائے درویشاں محمد افضل سرخوش خانہ زادان عالمگیر بادشاہ میں سے ہے۔ عالم جوانی میں دولت دنیا اور تلاش منصب و جاہ کے لئے بہت سرگردان رہا۔ آخر کار توفیق ایزدی سے شاہجہان آباد میں گوشۂ عزلت اختیار کیا اور درویشوں کی خدمت کو سرمایہ سعادت سمجھا ؎

نیست در عالم بہشتی خوشتر از خلوت مرا
دوزخی نبود بتر از گرمی صحبت مرا

دولت بیدار عرفان داد عن نعم البدل
کرد گر گردوں دوں محروم از دولت مرا

کرم الٰہی سے اپنے زمانے کے اکثر شعرا سے ہم صحبت رہا۔ اگرچہ دعوائے کمال نہیں۔ پھر بھی خیال ہوتا ہے کہ مدت تک اصحاب کمال سے آمیزش رہی ہے ہر آئینہ بے نصیب نہیں ہونگا۔ بقول صائب ؎

اگرچہ نیک نیم خاکپائے نیکان ام
عجب کہ تشنہ بمانم سفال ریحانم

نمونہ کلام ملاحظہ ہو ؎

ہوشیاری را حجاب یار میدانیم ما
بیخودی را بزم بے اغیار میدانیم ما

تیز مے سازد بقتل عاشقاں شمشیر را
ایں قدر ہم رحم ازو بسیار میدانیم ما

کجا فقیر بدل جا دہد تو انگر را
زمین فرو نبرد ہمچو قطرہ گوہر را
آئینہ دار حسن بود ذرہ ذرہ ام
گشتم سپند آتش خود چون شرارہا

ساز بزم عشرت ما بے رختہ از کار ماند
نغمہ از بس نارسائی چوں گرہ در تار ماند

خواہی کہ قدم براہ حق برداری
باید کہ بکف دامن پیرے آری
بے آئینہ پنبہ در نگیرد ہرگز
یک عمر اگر در آفتابش داری

ملّا شیدا

اواخر عہد جہانگیری و اوائل جلوس شاہجہان میں ہندوستان میں آیا۔ نہایت پرگو اور بلند خیال شاعر تھا۔ ایک دن بزم شعرا میں اس کے اس شعر کا ذکر آ گیا۔ سب سن کر بہت محظوظ ہوئے ؎

بسکہ اینا شتہ اشکم رخ کاہی از خون
مژہ ام بستہ بہم چوں پر ماہی از خون

فقیر (سرخوش) نے کہا۔ پیش مصرع خوب نہیں۔ اور فی البدیہہ یہ شعر پڑھا ؎

بسکہ می ریزد ہمیر شک از دیدۂ گریان ما
بستہ از خوں چوں پر ماہی بہم مژگان ما

جب شیدا نے اپنے قصیدے کا یہ مطلع پڑھا ؎

چیست دانی بادۂ گلگوں مصفا جوہرے
حسن را پروردگارے عشق را پیغمبرے

سب نے پسند کیا۔ بادشاہ نے سنا تو سخت ناراض ہو کر اس پر کفر کا فتوے لگایا کہ اس نے ام الخبائث کی اس قدر تعریف کی ہے حالانکہ اس کی حرمت نصّ قرآن سے ثابت ہے۔ اس کو ہمارے ملک سے نکال دینا چاہیے۔ آخر ایک دوست کی کوشش سے (جو مقربین بارگاہ میں سے تھا) اس کی خطا معاف ہوئی۔

مشہور ہے کہ شیدا ظریف طبع، بیباک دہن اور ہجو گو شاعر تھا۔ استاد زمان طالب آملی کی ہجو کی۔ مطلع ہے ؎

شب و روز مخدوم ما طالبا — پی جیفۂ دنیوی در تگ است

کہتے ہیں کہ جب لشکر شاہی کشمیر کی طرف گیا۔ تو وہاں سرکار کے ذخیرہ کچھ پرانی شالیں جمع تھیں۔ حکم ہوا کہ ان کا ایک چوتھائی شاگرد پیشہ کو دے دیا جائے۔ شیدا کی مدد معاش بھی بند ہو گئی۔ وہ اسلام خاں دیوان اعلیٰ کے پاس گیا۔ لیکن پہرہ داروں نے اس کی بہت بے حرمتی کی۔ اور وہاں سے نکال دیا۔ چنانچہ اس کی پگڑی سر سے گر پڑی۔ اس نے آواز دی کہ نواب صاحب میری دادرسی فرمائیں۔ جب اسے قریب لے کر گئے تو اس نے کہا۔ جو عزت میں نے آپ کے دیوان میں پائی ہے وہی آپ میرے دیوان میں پائینگے۔ نواب ہنس پڑا اور اس کی مدد معاش پھر جاری کر دی۔ چند اشعار بطور نمونہ ملاحظہ ہوں ؎

مرا بناز ترا ناز ہر دمے زیبد — چنانکہ زیر و بم ساز ہر دمے زیبد
چوں غنچہ دل ز دوست جدا شد گرہ مرا — مژگاں بہم چو بند قبا شد گرہ مرا

شادمان

قوم گکھڑ کے شاہزادوں میں سے تھا۔ ان کا ملک پنجاب و حسن ابدال کے درمیان واقع ہے منصب کو ترک کر کے وطن میں گوشۂ عزلت اختیار کیا۔ طبیعت نہایت موزوں تھی۔ قدما کے طرز پر ایک دیوان مرتب کیا اس کا یہ شعر بہت مشہور ہے ؎

شاخ شکستہ گل نہد لیک زلف یار — ہر جا شکست خورد گل آفتاب داد

ایک روز شیخ عبدالعزیز عزت اللہ داز وغنہ نے مجھ سے بیان کیا کہ آج عالمگیر بادشاہ نے مجھ سے پوچھا کہ مندرجہ بالا شعر کے علاوہ شاداں کا کوئی اور بھی اچھا شعر ہے۔ میں نے یہ شعر عرض کیا ؎

جز من کسی دگیر زسلاطین روزگار سدّے بروئے بجز زگوہر نہ لبستہ است

میرزا مہر خوش لکھتے ہیں کہ میں نے کہا کہ عالمگیر بادشاہ شعر فہم نہیں۔ اور تمہاری خوش قسمتی سے جہانگیر بادشاہ نہ ہوا۔ ورنہ دیکھ لیتے کہ اس کا انجام کیا ہوتا۔ بادشاہ کے حضور میں اس قسم کے شعر پڑھنے موزوں نہیں۔ یہ شعر اس کا فخریہ ہے اور تمہاری سمجھ سے بالاتر ہے۔ اس نے کسی قدر تامّل کے بعد میرے بیان کی تائید کی۔

شوکت بخاری

بہت نازک خیال، صاحب تلاش اور معنی یاب شاعر تھا۔ کہتے ہیں۔ کہ توران کی خاک سے اس کے مانند کوئی شاعر پیدا نہیں ہوا اس کا کلام ایران اور تمام شعرا میں مشہور ہے ؎

خانۂ ما کہ از فنا کدہ نیست چشم عنقا چراغ خلوت ماست
از بہر قطع کردن نخل حیات تو چوں ارّہ دو سر نفس اندر کشاکش است

میرزا محمد علی صائب تبریزی

اس کے کلام کی شہرت پہنائے عالم میں پھیلی ہوئی ہے اس کا دیوان اسکی زندگی ہی میں مشہور خواص و عوام ہو گیا تھا۔ اور خنکار روم وغیرہ بادشاہ والی ایران سے دیوان صائب کی درخواست کرتے تھے۔ اور بادشاہ تحفہ کے

طور پر بھیجتا تھا۔ صاحبقران ثانی شاہجہان بادشاہ کے عہد میں ہندوستان میں آیا۔ کچھ عرصہ ظفر خان کے ساتھ کابل میں رہا اور دو مرتبہ اس کے ہمراہ دکن کی سیر کر کے اصفہان چلا گیا۔ نواب جعفر خاں کے ساتھ بھی دوستانہ مراسم تھے۔ ایران سے نواب کو یہ شعر لکھا ؎

دور دستاں را بہ احساں یاد کردن ہمت ست
ورنہ ہر نخلے بہ پائے خود ثمر مے افگند

نواب نے پانچ ہزار روپیہ اس شعر کے صلہ کے طور پر بھیجا۔
اس کی قدرت سخن آفرینی اور جدت طبع اس حد تک تھی کہ ایک دن راقم (سرخوش) ایک مہمل مصرع کہہ کر اسکے پاس بغرض امتحان لے گیا ؎

از شیشۂ بے مے، مے بے شیشہ طلب کن

صائب نے فی البدیہہ پیش مصرع لگایا ؎

حق را ز دل خالی از اندیشہ طلب کن

ایک دفعہ دوستوں کے ساتھ جا رہا تھا۔ راستے میں ایک کتا بیٹھا دیکھا۔ (کھڑے کتے کی گردن عموماً جھکی ہوتی ہے اور بیٹھے ہوئے کی بلند) صائب کی زبان پر یہ مصرعہ آیا ؎

سگ نشستہ ز استادہ سرفراز تر ست

اسکے بعد بے تامل پیش مصرعہ لگا دیا ؎

شود ز گوشہ نشینی فزوں رعونت نفس

چند شعر ملاحظہ ہوں ؎

نماند نالۂ دل در دبیشۂ ما را | بسنگ سرمہ شکستند شیشۂ ما را
بچشم کم منگر جسم خاکساراں را | کہ ایں غبار بدامان یار نزدیک ست

پیشانی عفوترا پرچیں نسازد جرم ما   آئینہ کی برہم خورد از زشتی تمثالہا
یک کرشمہ کہ در کار آسماں کردی   ہنوز می پرد از شوق چشم کوکب ہا

ایک روز میں (سرخوش) میر معز موسوی خان کی مجلس میں بیٹھا تھا۔ ایک ایرانی سوداگر نے اطلاع دی کہ صائب مر گیا۔ سب نے بہت افسوس کا اظہار کیا۔ میں نے کہا۔ "صائب وفات یافت" بے کم و کاست اس کی تاریخ وفات ہوتی ہے۔ میر صاحب نے حساب کیا۔ درست نکلا۔ فرمایا۔ شاید پہلے ہی تاریخ کہہ رکھی تھی۔ میں نے کہا۔ دو سال پہلے میں نے اس کی تاریخ "صاحب وفات یافت" کہی تھی۔ یا اور حا میں دو سال کا فرق دیکھ کر میں نے فی الفور کہہ دیا۔ سب نے بہت تحسین کی۔ کہتے ہیں کہ اس کا مزار دریا کے کنارے ایک باغ میں واقع ہے۔ کسی شاعر نے اسکے متعلق خوب کہا ہے ؎

اے صبا آہستہ پا بہ گلہای غنچہ نہ   پاسبانانند گلہا صائبا خوابیدہ است

میر صیدی

نازک خیال اور بلند فکر شاعر تھا۔ شاہجہان کے دور حکومت میں وارد ہندوستان ہوا۔ اس کے اس مطلع نے پایۂ تخت کے شعرا کے مجمع میں غلغلہ ڈال دیا ؎

برقع برخ افگندہ برد ناز بباغش   تا نکہت گل بیختہ آید بہ دماغش

استاد فن و کامل سخن تھا۔ ایک دیوان رنگین یادگار چھوڑا ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک دن دوستوں کے ساتھ نہر کے کنارے بیٹھا مچھلیوں کا تماشا دیکھ رہا تھا۔ یہ مطلع برجستہ طور پر کہا ؎

ازیں خود کامی یاراں رنگ لفت می پرم ما را   کہ بہر صید ماہی خشک میخواہند دریا را

اتفاقاً ایک مچھلی پانی سے اچھل کر اس کے دامن میں جا پڑی۔ اس کو اس شعر کا منجانب اللہ صلہ سمجھ کر اٹھا لیا اور فال نیک سمجھا۔ اور دوسرے دن اس عطیہ عظمیٰ کی ضیافت کا سامان کیا۔ فقیر (سرخوش) نے بھی اس کے جواب میں ایک مطلع اور ایک حسن مطلع کہا ؎

ازیں بے رحم صیاداں رہائی کے شود مارا
کہ آتش می زنند از بہر یک نخچیر صحرا را

بگذاری کہ بہ بیند تا زعرض لشکر حسنش
تماشا کن شکست فوج فوج رنگ گلہا را

یہ اشعار بھی شعرا میں بہت مقبول ہوئے۔ مکرم خاں خلف نواب شیخ میر سپہسالار شاہ عالمگیر نے خلعت خاصہ سے سرفراز فرمایا۔ میں نے اس کے حسن مطلع کا جواب بھی کہا۔ صیدی ؎

براہ انتظارش گر گداز دتن چہ خواہد شد
زاعضا چشمی و پای چو نرگس بس بود مارا

سرخوش ؎

زاسباب طرب چیزی دگر میکش نمی خواہد
ہمیں دستی و جام مے چو نرگس بس بود مارا

نمونہ کلام ؎

در جہاں بود ازیں پیش نشاطے و کنوں
مامکافات کش عشرت آں یارانیم

از باغ رفتی و دل بلبل بنالہ ریخت
گل را شراب رنگ تمام از پیالہ ریخت

حکیم محمد کاظم صاحب

اپنا لقب مسیح البیان اختیار کیا۔ صاحب تخلص تھا۔ اکثر مولوی روم کے طرز پر شعر کہتا تھا۔ ایک ضخیم دیوان ترتیب دیا جو رطب و یابس سے مملو ہے۔ ہر دیوان کے سرورق کی پشت پر اپنی تصویر بنوائی بہت سی مثنویاں لکھی ہیں مثلاً آئینہ خانہ، پری خانہ، ملاحت احمدی، صباحت یوسفی۔ کلیات کو مجموعی طور پر

"انفاس مسیحی" کے نام سے موسوم کیا۔ اپنی استادی پر بہت مغرور تھا۔ اس انتہائی برخود غلطی کے باعث اکثر مہمل اشعار کہتا تھا۔ اور لوگوں سے تحسین و آفرین کی امید رکھتا تھا۔

کہتے ہیں کہ ایک دن میر صیدی اس کی ملاقات کے لئے گیا وہ گھر میں کسی کام میں مصروف تھا۔ میر گھڑی بھر وہاں بیٹھا۔ اس کا دیوان قرآن مجید کی طرح نہایت تعظیم سے رحل پر رکھا ہوا تھا اسے کھول کر دیکھا اور واپس لوٹ آیا۔ حکیم باہر نکلا تو سنا کہ میر صیدی آئے تھے۔ پس میر سامان سے کہا۔ کہ تو نے ان سے یہ کیوں نہ کہا کہ میرے آنے تک بیٹھ کر دیوان کے مطالعہ سے محظوظ ہوں۔ اور اس قصور پر میر سامان کے چند کوڑے بھی لگا دیئے۔ اس واقعہ کی خبر میر صیدی کو بھی پہنچی۔ ایک دن دربار میں ملاقات ہو گئی۔ حکیم نے عذر خواہی کی اور کہا کہ آپ نے میرا انتظار کیوں نہ کیا۔ میرا دیوان وہاں موجود تھا اس کے مطالعہ سے محظوظ ہوتے۔ میر نے کہا میں نے دو تین صفحے پڑھے تھے۔ لیکن عجب انصاف ہے کہ شعر تو آپ کہیں اور صلہ میر سامان کو ملے۔ نمونہ کلام ؎

برلالہ خطے کشید کاں سنبل موست — گل رابگلاب شست کیں صفحۂ روست
عالم ہمہ اوست لیک نتواں گفتن — شہ رابسر انگشت نمودن نہ نکوست

طالب آملی

خوش فکر و خوش خیال شاعر تھا۔ صائب وغیرہ اساتذۂ شعرا اس کی استادی کے قائل ہیں۔ اس کا یہ مطلع مشہور خواص و عوام ہے ؎

بتن بو با کند گلہای تصویر نہالی را — بپا بیدار سازد خفتگان نقش قالی را

کہتے ہیں کہ اس شعر کا پیش مصرعہ اس کی چھ مہینے کی کاوش فکر کا نتیجہ ہے ؎

زغارت چمنت بر بہار منتّ ہاست
کہ گل بدست تو از شاخ تازہ تر ماند

لب از گفتن چناں بستم کہ گوئی
دہاں بر چہرہ زخمی بود و بہ شد

میر محمد طاہر حسینی

طالقان کا باشندہ تھا۔ اواخر سلطنت جہانگیر بادشاہ میں ہندوستان میں آیا۔ تجارت پیشہ تھا۔ اس کا شمار سربرآوردہ تاجروں میں ہوتا تھا۔ زیور تقویٰ سے آراستہ تھا۔ شاہجہانی عہد میں ظفر خاں کے ساتھ اس کے دوستانہ مراسم تھے۔ خان قدردان نے ازراہ آشنائی بادشاہ کے حضور میں اس کے کمالات کا ذکر کیا۔ بادشاہ نے فرمایا کہ اگر وہ نوکری اختیار کرنا چاہے تو ہم اسے بالضرور منصب پر سرفراز کر دینگے۔ خان نے اس کے پاس آ کر تمام ماجرا سنایا اور کہا کہ اگر تو قبول نہ کریگا۔ تو میں تجھ سے ناراض ہو جاؤنگا۔ میر نے جواب میں ایک غزل کہی۔ چند شعر ملاحظہ ہوں ؎

دیوانہ ایم بر ما باشد لباس زنداں
زنجیر گردن ماست زنجیرۂ گریباں

بر ما بسیج بسیار خواہیم بر جنوں زد
یک نعرہ وار راہ است از شہر تا بیاباں

زافتادگاں بیابد استادگی بخدمت
چوں نقش پا بروئم بر دن ز راہ نتواں

ملا طغرا

شاعر خوش فکر و معنی یاب تھا۔ انشاء پردازی میں ید طولےٰ رکھتا تھا اور اس کی زندگی زیادہ تر اسی شغل میں بسر ہوتی تھی۔ کشمیر کی تعریف میں چند رسالے لکھے ہیں اور ان میں سخنوری کی خوب داد دی ہے۔ نمونہ کلام ؎

آبرو می رود از دست بآمد شد عنبر
چون حباب از ہمہ جانب رہ کاشانہ بہ بند

میر نظام الدین احمد طالع

جمیع علوم وفنون میں یگانۂ روزگار تھا - علم تصوف میں ہمہ دانی کا دعویٰ رکھتا تھا - اور اس کی ہمت محض فن شاعری تک محدود نہ تھی - فقیر (مہر خوش) کو اس کی خدمت میں اخلاص و اتحاد تمام حاصل تھا - ایک دفعہ خربوزوں کے موسم میں اس نے نہایت میٹھے سردے بھیجے میں نے یہ رباعی لکھ کر بھیجی ؎

از خربزہ ہای بخشش مرزایم — چون جان شیریں شدہ ست دست و پایم
در شکریش خواستم زبان بکشایم — چسپید ز شیرینی آن لب ہایم

مرزا نے اسکے جواب میں رباعی کہی ؎

ای در دل اہل ذوق و وجدان جایت — عہد اخلاص خالص است مرزایت
از بسکہ بقلب خویشتن داری دوست — چون اہل زمانہ وانہ شد لب ہایت

ایک روز اس نے حافظ شیراز کا یہ شعر ترنم کے ساتھ پڑھا ہمیں بہت پسند آیا چنانچہ اکثر احباب نے اس پر طبع آزمائی کی - حافظ ؎

مزرع سبز فلک دیدم و داس مہ نو — یادم از کشتۂ خویش آمد و ہنگام درو

لا اعلم ؎

تخم دیگر بکف آریم و بکاریم ز نو — کانچہ کشتیم ز خجلت نتواں کرد درو

سرخوش ؎

ہرکس انبار کند خرمنے از گندم و جو
من ناکاشتہ تخمی خجلم وقت درو

طالع ؎

باشدت رنج دوئی حاصل ایں گندم و جو
آنچہ ناکاشتۂ حیف تو ہنگام درو

نمونہ کلام ملاحظہ ہو ؎

ہیچ دل از تیغ اوبے ریش نیست
آب در جریاں بہ ضبط خویش نیست

کثرت تکرار کلفت مے دہد
عشرت دنیا لگاہے بیش نیست

ملا ظہوری تبریزی

بیجا پور دکن میں خوش خیالی کا علم بلند کیا۔ نظم اور نثر دونوں میں ید بیضا رکھتا تھا۔ نثر میں ابراہیم عادل شاہ کے نام پر رسالہ نورس، گلزار خلیل، گلزار ابراہیم لکھے اور ساقی نامہ میں جو برہان الملک کے نام پر لکھا، خوب داد سخنوری دی۔ کہتے ہیں کہ جب اسے نظام شاہ کے پاس احمد نگر بھیجا۔ تو نظام شاہ نے ناآشنائی کے باوجود چند ہاتھی نقد و نفائس و جنس سے لدے ہوئے صلہ کے طور پر بھیجے۔ ظہوری قہوہ خانہ میں بیٹھا تمباکو پی رہا تھا۔ ایلچیوں نے رسید مانگی۔ اس نے قلم اٹھا کر یہ مصرع لکھ دیا ؎

کہ تسلیم کردند تسلیم کردم

کتابت میں بھی کافی دستگاہ رکھتا تھا۔ کتاب روضۃ الصفا کے سیکڑوں نسخے لکھ کر بیچے۔ نمونۂ کلام ؎

به جگر تشنگی خضر جگر مے سوزد | که ز سر چشمهٔ تیغی دم آبی نکشید
چراغ عاریتی تیرگی زیاده کند | بروشنائی شبهائے تار سوگند است

عرفیؔ شیرازی

قصیدہ گوئی اور غزل پردازی میں یگانۂ عصر تھا۔ اس کا کلام اسقدر مشہور ہے کہ بمونتہً پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس کا یہ شعر میاں ناصر علی کو بہت پسند تھا ؎

من ازیں درد گرانمایہ چہ لذت یابم | کہ باندازۂ آں صبر و ثباتم دادند

میر ابو الفتح گیلانی اور خانخاناں سپہسالار کی مدح میں بہت پُر زور قصائد کہے۔ عین عالم جوانی میں لاہور میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوا۔ کسی نے تاریخ وفات کہی ہے ؎

"استاد البشر و ہادی کلام عرفیؔ شیرازی"

عرفیؔ کو جناب علی المرتضیٰ کے ساتھ بڑی عقیدت تھی۔ چنانچہ فرمایا ؎

بکاوش مژہ از گور تا نجف بروم | اگر بہند ہلاکم کنی دگر بہ تتار

آخر اس کی وفات کے تیس سال بعد میر صابر اصفہانی نے اس کی ہڈیاں لیجا کر نجف اشرف میں دفن کیں۔ یہ رباعی دم نزع کہی تھی ؎

عرفیؔ دم نزع است و ہماں سستی تو | آخر بچہ مایہ بار بر بستی تو
فرداست کہ دوست نقد فردوس بدست | جویائے متاع ست و تہیدستی تو

میاں ناصر علی

اہل ہند میں سے ناصر علی کے مانند بلند خیال، معنی یاب، ذی ہمت و کمال کوئی دوسرا شاعر پیدا نہیں ہوا۔ فقیر (میر خوش) کے یاران قدیم میں سے تھا۔ ہم نے خوردسالگی میں اکٹھے ہی مشق سخن کی تھی۔ یہ بیت ہمارے حسب حال ہے ؎

طالع شہرت رسوائی مجنوں بیش است ورنہ طشت من و تو ہر دو ز بام افتاد ست

استعداد و قابلیت کے مطابق اس کی قدر دانی نہیں ہوئی سورنہ البیانا ورک خیال ملک الشعرائے عصر ہونا چاہئے تھا۔

آخر عمر میں ایک مجذوب کے انتاجے سے دارالخلافہ میں قطبیت کا دعویٰ کیا۔ بوعلی قلندر کی دوستی کا دم بھرتا تھا۔ ۱۷ رمضان المبارک ۱۱۰۸ھ کو وفات پائی۔

اوائل مشق میں ایک روز میں نے اس سے کہا کہ بعض احباب کہتے ہیں کہ ملا نذیم کے اشعار کا مسودہ ناصر علی کے ہاتھ آگیا ہے۔ اور وہ اسکے اشعار کو اپنے نام پر پڑھتا ہے۔ ناصر علی نے کہا۔ شعر اکا امتحان طرح غزل ہے۔ آؤ۔ آپس میں کوئی طرحی غزل کہیں۔ یہ غزل ہمارے سامنے تھی۔ آب استادہ است، آفتاب استادہ ہست۔ ہم دونوں نے طبع آزمائی کی میں نے برجستہ مطلع کہا ؎

تن ز اشکم تا بگردن شد آب استادہ است سر برشد تن عیاں ہمچوں حباب استادہ است

میاں ناصر علی نے یہ مطلع کہا ؎

اہل ہمت را نباشد تکیہ بر بازوئے کس خیمۂ افلاک بی چوب و طناب استادہ است

ایک روز مجھ سے کہا کہ میں نے اپنی زندگی میں اس شعر سے بہتر نہیں کہا ؎

توچو ساقی شوی درد تنگ ظرفی نمی ماند
بقدر بحر باشد وسعت آغوش ساحلہا

میں نے جواب میں اپنا یہ شعر سنایا ؎

عشق بخشد انبساطی در دل غم پرورم
ہمچو مہ بالد بقدر بادہ بر خود ساغرم

چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

وحشتم از دل ہر ذرہ نمایاں کردند
آنقدر جمع نبودم کہ پریشاں کردند

جادۂ راہ محبت کہ دم شمشیر است
نفس سوختہ بود کہ پنہاں کردند

بہ محفلی کہ حریفاں بیاد حق مستند
نفس زدی و چو آئینہ بر تو در بستند

ہمت درویش از منعم شدن کمتر شود
از چکیدن باز ماند قطرہ چوں گوہر شود

شیخ عبد العزیز عزت

فاضل کامل تھا۔ شعر گوئی کا ملکہ بھی درست تھا۔ بادشاہ اس کی تربیت کا بہت خیال رکھتا تھا۔ خیال تھا کہ اسے سعد اللہ کے مرتبہ تک پہنچائیں لیکن اس کی زندگی نے وفا نہ کی۔ نمونہ کلام ؎

یک لحظہ دل ز نالہ نخواہد فراغ ما
آتش ز سنگ سرمہ نگیرد چراغ ما

چشم طنازش بہ ہم سرزنش ہای حیا
پردۂ مستی کند بیماری پیوستہ را

جب اس نے یہ مطلع برجستہ پڑھا ؎

صدای بسمل نمی خیزد دم بسمل ز نخچیرش
مگر زد آں ستمکار افگن ز سنگ سرمہ شمشیرش

ایک دوست نے اعتراض کیا کہ "تیغ بہ سنگ کشیدن" مصطلح ہے لیکن

"برسنگ زدن" ہم نے کہیں نہیں دیکھا۔ ملا محمد سعید اعجاز نے سلمان ساوجی کے دیوان سے یہ سند پیدا کی ہے

چوں زنار برسنگ تیغ آں شوخ خوش مے آیدیم
آب چوں غلطد بروئے سنگ گردد خوشگوار

محمد اسمعیل غافل مازندرانی

فن خط میں ید بیضا رکھتا تھا۔ خط نسخ اور نستعلیق میں یگانۂ روزگار اور روشن رقم کے لقب سے مشہور تھا۔ دیگر خطوط مثل ثلث، ریحان، رقاع میں بھی کافی دستگاہ تھی۔ یاقوتی خط کا قرآن اور خط صرفی کی کتاب ضائع ہو گئی تھی اس نے لکھ اور پرانی کر کے بادشاہ کے حضور میں گزرانی۔ جب تک اس نے خود نہ بتایا کوئی شخص معلوم نہ کر سکا۔ کہ تازہ لکھا ہوا ہے۔ انشاء پردازی میں وحید العصر تھا۔ اور بادشاہ کا دبیر خاص تھا۔ شعر گوئی کا بھی عمدہ مذاق رکھتا تھا اس کے ناخلف بیٹے نے تمام مسودات ضائع کر دیے۔ چند اشعار درج ذیل ہیں ہے

کار آساں نیست بی او زیستن — سخت جانیہا حساب دیگر است

رباعی ہے

از گرمی عشق بحر و بر مے سوزد — صبر دل و طاقت جگر مے سوزد
عشق آفت زہد خشک و دامان تر است — آتش چو گرفت خشک و تر مے سوزد

محمد طاہر غنی

خطۂ کشمیر بلکہ تمام اقلیم ہند میں اس جیسا خوش خیال، معنی یاب اور نازک بند شاعر نہیں ہوا۔ اس کا دیوان جو سراپا انتخاب ہے مرزا محمد علی ماہرؔ نے مرتب کیا ہے اس کو ایہام گوئی کا بہت شوق تھا۔ "غنی" اس کے ابتدائی شعر کہنے اور تخلص اختیار کرنے کی تاریخ ہے ایک روز شاہ ماہرؔ کے سامنے یہ مطلع پڑھا ؎

بے چراغست اگر بزم خیالم غم نیست | مصرعی ریختہ شمعی ست کہ در عالم نیست

چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

فراغتی بہ نیستان بوریا دارم | مبادراہ درین بیشہ شیر قالی را

رفیق اہل غفلت عاقبت از کار می ماند | چو یک پا خفت پائی دیگر از رفتار می ماند

صائبؔ اس کے ایک شعر پر بہت رشک کرتا تھا اور کہتا تھا کہ کاش میرا تمام دیوان اسے دے دیتے اور اس کا یہ شعر مجھے دیدیتے۔ وہو ہذا ؎

حسن سبزی بہ خط سبز مرا کرد اسیر | دام ہمرنگ زمیں بود گرفتار شدم

حکیم اور میں نے بھی اسی مضمون پر طبع آزمائی کی ہے۔ حکیم ؎

خط سبز آفت جان بود ندانستم | دام در سبزہ نہاں بود ندانستم

سرخوشؔ ؎

خوردم ز خط فریب جمال عذار او | ہمرنگ سبزہ بود لباس شکار او

آقا محمد ابراہیم فیضان

خلف آقا محمد حسین ناجی۔ عنفوان شباب میں تحصیل کمالات کی طرف مائل ہوا۔ علوم سیکھا اور علم معقولات میں یگانۂ روزگار تھا۔ فن انشا میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ طبیعت میں شعر گوئی کا فطری ملکہ موجود تھا۔ چنانچہ میاں ناصر علی فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں اس نوجوان سے بڑھ کر اور کوئی شاعر نہیں۔ خوشنویس بھی تھا۔ چند اشعار درج ذیل ہیں ؎

ستم چند زبان غمزۂ خونخوار قاتل را — بیان ما و نازش ترجمان تیغ دو دم باشد

نبود از شیوۂ ظلم این قدر ہا چشم یکرنگی
ہر ابرو دل رساند زخم ناچاری بسر جبین افتد

میر غیاث الدین منصور فکرت

شرفائے ایران میں سے تھا۔ عالمگیر بادشاہ کے عہد حکومت میں ہندوستان میں آیا اور بالعمدی منصب پر ممتاز و سرفراز ہوا۔ خوش خلق اور خوش فکر تھا۔ نمونۂ کلام ؎

اگر دیباچہ بنویسم بیاض گردن او را — کنی مانند سیاہی در دوات دیدۂ آہو را

یک حرف بہ تعلیم درین مشق ندیدم — در نامۂ من نیست بجز سودۂ مشق ہیچ

عمر آخر می شود تا مے کشی دل از جہان
کاروان رفت تا نمی آواز پاے کشتی

دارا شکوہ قادری

ملقب بشاہ، ولیعہد شاہجہان بادشاہ، خوش خلق، خوش رو، متحمل، صوفی مشرب، فقیر دوست، موحد محقق تھا۔ طبع بلند اور ذہن رسا رکھتا تھا۔ صوفیانہ مضامین و مطالب کو رباعی یا غزل کے پیرایہ میں بیان کرتا تھا۔ اس اعتقاد کی بنا پر جو اسے سلسلۂ عالیہ قادریہ کے ساتھ تھا۔ قادری تخلص اختیار کیا۔ اور ملا شاہ خلیفۂ میاں شاہ میر لاہوری کے ہاتھ پر بیعت کی۔ تحمل و وقار اس حد تک تھا کہ بقول محمد علی ماہر اس کے بڑے بیٹے سلطان سلیمان شکوہ کے جشن کے دن ایک شاعر نے سر دربار قصیدہ پڑھا۔ ایک شعر میں لکھا تھا کہ بادشاہزادہ کریم الطرفین ہے۔ بادشاہ نے کہا۔ بیشک۔ لڑکا ماں اور باپ دونوں کی طرف سے کریم الطرفین ہے۔ حاجی تمکین نے اس موقع پر ظریفانہ بات کہی جو سنجیدگی سے دور تھی۔ بادشاہ نے سر جھکا لیا۔ اہل مجلس خوف سے لرز اٹھے سب کو یقین تھا کہ بادشاہ سر اٹھاتے ہی اس مسخرے کے قتل کا حکم دیگا۔ لمحہ بھر کے بعد بادشاہ اٹھ کر محل کی طرف چلا گیا۔ اور حرم سرا کے دروازے پر پہنچکر کہا کہ اس مسخرے کو آئندہ دیوان خاص میں نہ آنے دیں۔

علم تصوف میں بلند پایہ کتابیں تصنیف کیں۔ ایک مختصر سا دیوان بھی ہے۔ نمونۂ کلام ؎

ہر خم و پیچی کہ شد از تاب زلف یار شد ۔۔۔ دام شد زنجیر شد تسبیح شد زنار شد

بخیہ بر خرقۂ فنا کیشاں ۔۔۔ موج آب حیات را ماند

خانزمان حاجی محمد جان قدسی

عہد شاہجہانی کا ملک الشعرا تھا۔ قصیدہ گوئی اور غزل گوئی میں لپنے اقران و مثال سے گوئے بلاغت لے گیا تھا۔ ظفر نامۂ شاہجہان میں فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دیئے۔ جب اس نے دیکھا کہ عبداللہ خان فیروز جنگ کا نام اس بحر میں نہیں سما سکتا تو اس حسن ادا سے ذکر کیا ؎

نہنگے کہ از غایت احتشام
نگنجد بہ بحر از بزرگیش نام

جب کسی نے فیل سفید بادشاہ کے حضور میں بھیجا اور بادشاہ نے اسکو زر وزیور سے آراستہ کر کے سواری کی تو ملک الشعرا نے رباعی کہی ؎

بر فیل سفیدش کہ مبیناد گزند
شد شیفتہ ہر کس کہ نگاہے افگند

چوں شاہجہاں برو بر آمد گوئی
خورشید شد از سپیدۂ صبح بلند

صلات فاخرہ سے سرفراز ہوا۔ تعریف کشمیر اور صعوبات راہ کے بارے میں ایک مثنوی کہی ہے۔ ایک دفعہ کسی ملائے مکتب کے سامنے اپنی تازہ غزل پڑھ رہا تھا۔ جب اس شعر پر پہنچا ؎

ساقی بصبوحی قدری بیشتر از صبح
برخیز کہ تا صبح شدن تاب ندارم

ایک بچّے نے سنا اور کہا۔ صاحب! اگر قدری کے بجائے نفسی ہوتا تو خوب ہوتا۔ اور صبح کے ساتھ مناسبت بھی پیدا ہو جاتی۔ حاجی صاحب باوجودیکہ ملک الشعرائی کے بلند مرتبہ پر فائز تھے۔ اس بچے کی اصلاح قبول کر لی اور اس جودتِ طبع پر حیران رہ گئے۔

نمونۂ کلام ملاحظہ ہو ؎

بازم نشستہ تا مژہ در دل نگاہ کیست | روزم سیاہ کردۂ چشم سیاہ کیست
دل دادن و سخن نشنیدن گناہ من | دل بردن و نگاہ نکردن گناہ کیست

قاسم دیوانہ مشہدی

میرزا صائب کے شاگردان رشید میں سے تھا۔ تازہ گوئی، بلند خیالی، نازک بندی اور معنی یابی میں بےمثل تھا۔ ہندوستان میں نہیں آیا لیکن اس شعرا میں رائج اور مشہور ہے۔ ملاحظہ ہو ؎

یکیست حسن بصد جلوہ از نقاب چکید | رگ چراغ زدم خون آفتاب چکید
کس بادیۂ عشق بپایاں نرساند | چندانکہ نظر کار کند یک رم آہوست
خونریز ستم چو یار من شد | گل حلق بریدۂ چمن شد

قاسم خان

جہانگیر بادشاہ کا ہمزلف تھا۔ طبع رسا رکھتا تھا۔ ملاحظہ ہو ؎

مردم ز رشک چند بہ بینم کہ جام مے | لب بر لبت گزارد و قالب تہی کند
ہر کہ در مجلس ما بادہ ننوشد قاسم | گر ہماں مردم چشم ست بروں باید کرد

ایک روز بادشاہ نے آب خاصہ طلب کیا۔ مٹی کے نازک پیالے میں لائے۔ جب بادشاہ نے پیالہ ہاتھ میں لیا تو وہ پانی کی جنبش سے ٹوٹ گیا۔ بادشاہ نے برجستہ مصرعہ کہا ؎

کاسہ نازک بود آب آرام نتوانست کرد

قاسم خاں سے پیش مصرعہ لگایا ہے

دید عالم را و چشمش ضبط رشک خود نکرد

ابوطالب کلیم

شاعر عہدہ پایہ تخت۔ قادر الکلام، انواع سخن میں ید طولیٰ رکھتا تھا۔ ظفرنامہ شاہجہانی کو بہت خوش اسلوبی کے ساتھ منظوم کیا۔ تعریف اکبرآباد، خطہ دکن اور صعوبات راہ کشمیر کے متعلق بلند پایہ مثنویاں لکھیں ایک دیوان عدیم المثال مرتب کیا۔ فرمائشی اشعار کہنے میں بڑا ماہر تھا۔ تخت مرصع، سپر، شمشیر، قلمدان خاصہ ہر چیز کے متعلق عمدہ اشعار کہے ہیں اور تمام شاہی اشیاء پر اس کے ابیات کندہ ہیں۔

جب شاہ روم نے تہنیت نامہ میں لکھا کہ آپ نے شاہجہان کا لقب اختیار کیا ہے۔ اگر ہمارا ملک اور ایران و توران وغیرہ داخل جہان ہیں تو آپ ان مقامات کے بادشاہ نہیں۔ خدا کے نزدیک بہترین نام عبداللہ، عبدالرحمٰن، عبدالرحیم وغیرہ ہیں۔ ان میں سے کوئی اختیار کر لیں۔ بادشاہ بعد مطالعہ نہایت متفکر ہوا اور آصف خان یمین الدولہ کے ساتھ مشورہ کیا کہ یہ لقب بدل دینا چاہیے۔ کلیم کو خبر ملی تو ایک قصیدہ مدحیہ لکھ کر گزرانا اور اس شعر میں اس سوال کا جواب نہایت خوش اسلوبی سے ادا کیا ہے

ہندوستاں ز روی عدد چوں برابر ست | بر شد خطاب شاہجہاں زاں مقرر ست

بادشاہ بہت خوش وقت ہوا اور یہی شعر جواب میں لکھا اور کلیم کو سونے سے تولا۔

جب خان جہاں لودھی (جس کا سابقہ نام پیرا تھا) باغی ہو کر دریا عمان روہیلہ سے جا ملا اور یہ دونوں لشکر شاہی کا مقابلہ کرتے ہوئے مارے گئے۔ تو کلیم نے ایک رباعی کہہ کر گزرانی اور عنایات خسروانہ سے سرفراز ہوا جب ان کے سر بارگاہ میں آئے تو چار تاریخیں کہیں۔ بادشاہ نے گرانبہا صلہ دیا۔

اگرچہ اس کا دیوان مشہور ہے پھر بھی یہاں چند اشعار درج کئے جاتے ہیں ؎

نجات غرقہ بحر تعلق آسان نیست ⁂ مگر بہ تختہ تابوت بر کنار افتد

نیست یکشب کہ سر شبنم گل بستر نشود ⁂ تا در پیرہنم رشتہ گوہر نشود

کشمیر میں گوشہ گیر ہو گیا تھا۔ وہیں رحلت فرمائی۔ ملا طاہر غنی نے تاریخ وفات کہی ؎

طور معنی بود روشن از کلیم

کشمیر میں مدفون ہوا۔ مرزا محمد علی ماہر کا بیان ہے کہ عجیب خوش خلق اور خوشگو شخص تھا۔ جو بھی اس کی صحبت میں جاتا۔ فیضیاب اور محفوظ ہوتا تھا۔

شیخ سعد اللہ گلشن

طبع درست رکھتا ہے فقیر (سر خوش) کا شاگرد ہے۔ دارالخلافہ کو خیرباد کہہ کر گجرات پہنچا۔ اور آخرکار ہمجنسی کی وجہ سے مرزا بیدل کی صحبت میں چلا گیا۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو ؎

گشتم شہید تیغ تغافل کشید نت | جانم نہ دست برد عز الانہ دید نت
زشوق مہر رخسار کہ چشم گریہ پیرا شد | چو گوہر در گرہ ہر اشک من دارد سحر گاہی

ایک روز یہ مصرعہ پڑھا ؎

بیک پیمانہ چوں با قوت دارد آب و آتش را

فقیر (سرخوش) نے پیش مصرعہ لگایا ؎

زبس با نرم خوئی رام کردم طبع سرکش را

عبدالرحیم گمگو کشمیری

کچھ عرصہ فقیر (سرخوش) کے پاس مشق سخن کرتا رہا۔ خوش فکر شاعر تھا۔ دکن کی طرف گیا اور وہیں وفات پائی۔ نمونۂ کلام ؎

ماخراب ریخش بیجای او گر دیدہ ایم | گر بر افشاند غبار از دل شود تعمیر ما
بہار آمد ز جوش لالہ دارد کوہ دیدہ ہا | شرر خار آتشگاہی میکند از دل طپیدہ ہا

لامع

حالات معلوم نہیں ہو سکے۔ کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فن میں کافی دستگاہ تھی۔ نمونہ ملاحظہ ہو ؎

گذشتی بر مزارم شورشی انداختی رفتی | کف خاک مرا صحرای محشر ساختی رفتی
اے سپند ہر ق حسنت شبنم گلزار ما | دست و پا گم کردہ سرو قدنت رفتار ہا

میرزا معز الدین محمد موسوی

خوش خیالی، معنی طرازی، شعر فہمی اور انشاء پردازی میں اپنا نظیر نہیں رکھتا۔ حدت طبع، دقت آفرینی اور علم معقولات میں بے بدل تھا۔ سرزمین ایران میں ایسا صاحب فضل وکمال کم پیدا ہوا ہوگا۔ خود فرمایا ہے ؎

من مرغ خوش ترانۂ باغ فضیلتم
طبع مرا بزمزمۂ شاعری چہ کار

میرزا صائب کے اس شعر میں جو عمارت کی تعریف میں کہا گیا ہے ؎

چوں لباس غنچہ تنگی میکند بر دوش گل
بر شکوہ ایں عمارت پرنیان آسماں

صائب کے روبرو پیش مصرعہ میں بجا اعتراض کیا۔ صائب بڑے غور و فکر کے بعد اس شعر کی قباحت سے آگاہ ہوا۔ اور قائل ہو گیا۔ فقیر (سرخوش) نے اس طرح درست کیا۔ فرمایا اب ٹھیک ہے ؎

چوں لباس غنچہ ناشگفتہ تنگی مے کند

ایک روز کسی دوست نے مجلس میں یہ شعر پڑھا ؎

زتیرہ بختی خود آنزماں شدم آگاہ
کہ مادرم سر پستان خویش کرد سیاہ

فرمایا مضمون تازہ ہے اس سے بہتر پیرایہ میں ادا ہونا چاہیئے۔ پھر خود ہی غور کے بعد فرمایا ؎

ایں تیرگی ز روز ازل داشت کوکبم
مادر نزادہ ام سر پستان سیاہ کرد

اس بیت کا جواب میرزا طاہر وحید نے خوب کہا ہے ؎

ہر گل بیاد شمع تو بالی کشودہ است
خاکستر م چمن شدو پروانہ ام ہنوز

میر معزؔ ے

شد گرد باد دامن صحرا غبار من — بر باد رفت خاکم و دیوانه ام هنوز

ایک دن اس نے کسی کا یہ شعر پڑھا ے

بچه اندیشه ام از خاطر ناشاد روی — چه بخاطر گذرانم که تو از یاد روی

فقیر (سرخوش) نے کہا۔ آؤ۔ اس پر طبع آزمائی کریں۔ میر نے برجستہ کہا ے

آنچنان زی که چو از حادثه بر باد روی — عشق هم نگذارد که تو از یاد روی

سرخوش نے بھی فی البدیہہ کہا ے

خویش را خاک رهی سازی و بر باد روی — به از آنست که بر تخت روان شاد روی

ایک روز ناصر علی کے اس شعر کا ذکر آیا ے

ز جوش باده در دستش بالا نشین گردد — ز موج خنده تبسم خط برون آید ازان لبها

میر معزؔ نے بڑے تأمل کے بعد کہا ے

نگه بشگفتن پیاله بیباکانه ز مژگانش — سخن در برگ گل پیچیده میریزد ازان لبها

سرخوش ے

قطرها از لطافت بر رخش باران ور آبسته — سخن نقش نگین گشتست فرو رفتن ازان لبها

حسن ابدال میں پایۂ تخت کے تمام شعرا کے درمیان اس شعر کا بہت غلغلہ تھا ے

میر معزؔ ے

هیچکس آگه ز شرح اشتیاق ما نشد — نامهٔ ما چون زبان لال هرگز وا نشد

سرخوش ے

هیچ دل از زینت دنیا نشاط افزا نشد — عقدهٔ کار کس از دندان گوهر وا نشد

سب عزیزوں نے کہا کہ یہ شعر کسی طرح بھی میر کے شعر سے کم نہیں۔
جب کبھی فقیر (سرخوش) ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تو علوم عربی کا درس موقوف کر دیتے اور فرماتے کہ اب ہم سرخوش کے ساتھ شعر و تصوف کی باتیں کرینگے۔ اور اکثر از راہ مہربانی فرمائے کہ ہندوستان میں تین شاعر ہیں۔ غنی، ناصر علی اور سرخوش۔

ابتدا میں فطرت تخلص کرتے تھے۔ آخر کار موسوی تخلص اختیار کیا۔
ایک روز فرمایا کہ "افضل اہل زمانہ" میری تاریخ ولادت ہے یعنی ۱۰۵۰ھ
میں نے کہا میری ولادت بھی اسی سال ہوئی تھی اور میرا نام بھی افضل ہے۔ لہذا یہ تاریخ مجھے عنایت فرمائیں۔

ایک روز دو امیر خلعت پہنے ہوئے ان کے سلام کے لئے آئے۔ مجھے فرمایا کہ جاکر معلوم کرو کہ ان کے سپرد کونسی خدمات ہیں۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ایک دیوان برار مقرر ہوا ہے اور دوسرے کو شادی کا خلعت ملا ہے۔ واپس آکر میں نے میر صاحب سے عرض کیا کہ ایک کو "خدمت در آر" سپرد ہوئی ہے اور دوسرے کو "خدمت برار"۔ یہ سن کر بہت ہنسے۔

چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

سد راہ معصیت ہا شد پریشانی مرا   داشت عریانی نگہ ز آلودہ دامانی مرا

ما طائر عشقیم وقفس بال و پر ماست   چوں بوئی گل چیدہ وطن ہمسفر ماست

چو سوز عشق را کامل کنی عیبت ہنر گردد
شود یاقوت ہر سنگے کہ لبریز شرر گردد

میر صاحب نے دکن میں وفات پائی۔ میاں ناصر علی یہ خبر سن کر بہت روئے اور مجھ پہ تو گویا کوہ غم ٹوٹ پڑا ؎

حیف دانا مردن و افسوس ناداں زیستن

میں نے تاریخ وفات کہی ؎

معز الدین محمد موسوی حیف | زعالم سوئے ملک معنوی رفت
کشید آہ و بگفتا عقل تاریخ | "معز الدین محمد موسوی رفت"

میرزا محمد علی ماہر

استاد ہمہ داں، پختہ کار، صاحبدل اور کامل عیار متخلص تھا۔ شعرائے عصر جہانگیری سے نازک خیالان عہد عالمگیری تک کے ساتھ ہم صحبت رہا۔ مثلاً کلیم، قدسی، میر یحییٰ وغیرہ۔ فقیر منش تھا زندگی بھر فکر سخن میں محو رہا۔ بعض اوقات ایک پیش مصرعہ کے لئے چھ سات مہینے متفکر رہتا۔ چنانچہ اس مصرعہ کے لئے ؎

انتقام پدر از خصم پسر مے گیرد

چھ مہینے تک پریشان رہا۔ پھر کہیں مصرعہ ہاتھ آیا ؎

حاسد اہل سخن داغ ز حسن سخن است

ایک ضخیم دیوان اور چند رنگین مثنویاں رکھتا ہے۔ ظہور کے طرز پر نثر بھی لکھی ہے موسوم بہ "گل اورنگ" اور اس میں شاہ اورنگ زیب کی مدح کی ہے۔

ایک مثنوی بیگم کی تعریف میں لکھ کر عنایت خان کی ماں کی معرفت گزرانی
بیگم اس کے مطالعہ کے بعد اس بیت سے بہت محظوظ ہوئی ہ

بذات او صفات کردگار است   کہ خود پنہاں و فیضش آشکار است

پانصد روپیہ صلہ عنایت فرمایا۔ میرے خیال میں کوئی وقعت نہیں رکھتا اس کو سونے سے تولنا چاہیئے تھا۔ پایۂ مدح اس سے بالاتر کیا کیا ہو سکتا ہے۔

میں (سرخوش) جوانی میں مدت تک اس سے اصلاح لیتا رہا۔ اس کی سلامتی نفس کی زندہ مثال یہ ہے کہ ایک روز مرزا قطب الدین مائل کے گھر میں شعر خوانی کی مجلس گرم تھی۔ حکیم صاحب، ملا محمد سعید اشرف اور عنایت الدین منصور فطرت وغیرہ اساتذہ جمع تھے میں نے ایک تازہ مطلع پڑھا ہ

کے تواند دید زاہد جام صہبا بشکند   می پرد رنگم حبابے گر بدریا بشکند

سب نے بہت تحسین و آفرین کی۔ حکیم صاحب آدھی رات تک اس شعر کو پڑھ پڑھ کر سر دھنتے رہے اور فرمایا کہ سبحان اللہ! ایک شخص ہند میں پیدا ہو کر ایسے شعر کہتا ہے۔ دوسرے دن دانشمند خاں کے گھر میں ماہر سے ملے۔ کہا۔ کل تمہارے شاگرد سرخوش نے ہمیں بہت محظوظ کیا۔ بڑا خوش فکر ہے۔ بارک اللہ! آپ نے خوب تربیت کی ہے۔ ماہر نے کہا وہ میرا شاگرد نہیں بلکہ ہم دونوں دوست ہیں۔ حکیم نے فرمایا۔ وہ اصرار سے کہتا ہے کہ میں شاہ ماہر کا شاگرد ہوں۔ انھوں نے جواب دیا کہ بزرگ زادہ ہے ازراہ انکسار و تواضع کہا ہوگا۔ ورنہ مجھ میں اس کی استادی کی لیاقت کہاں ہے

جب میں ان کی خدمت میں گیا تو فرمایا۔ کہ تم کیوں کہتے تھے کہ میں شاہ ماہر کا شاگرد ہوں۔ یہ بات تمہارے لئے خوب نہیں۔ مجھے خود فخر ہوگا۔ اگر مجھے تمہارے جیسا شاگرد مل جائے۔ لیکن بعض ایسے بلند فکر بھی ہیں جو مجھے اور میرے کلام کو خاطر میں نہیں لاتے۔ میرے شاگرد کی ان کی نظروں میں کیا وقعت ہوگی۔ شعرا شاگرد خدا ہوتے ہیں۔

میرا بڑا بھائی خیرالدین محمد طبع موزوں رکھتا تھا اور عجزی تخلص کرتا تھا۔ قدما کے رنگ میں شعر کہتا تھا۔ میں اس کی خدمت میں تربیت پا رہا تھا۔ آٹھ نو سال کی عمر میں ایک روز میں بازار میں سے جا رہا تھا۔ ایک خوشرو خواجہ سرا کو دیکھا جسکے چاہ زنخداں پر ایک خال تھا۔ برجستہ مطلع کہا ؎

بر زنخدان تو خال سیہی افتادہ است　　ہمچو دلویست کہ بالای چہی افتادہ است

جب میں نے بھائی کے سامنے پڑھا تو وہ بہت خوش ہوا مجھے سینے سے لگایا۔ پیشانی پر بوسہ دیا اور اس روز سے میری تربیت میں زیادہ کوشش کرنے لگا۔

گیارہ سال کی عمر میں میں نے قصبہ کرانہ میں ایک خوبصورت رسن باز لڑکی کو دیکھ کر یہ رباعی کہی ؎

آں دلبر بو العجب کہ ماہ زیبا ست　　بالای علم چو گل بشاخ رعنا ست
نے نے غلطم کہ آفتاب محشر　　یک نیزہ برآمد و قیامت برپا ست

یہ رباعی تمام میان دوآب میں پھیل گئی۔ اور قاضی پیر محمد رہائی وغیرہ اساتذہ میرے والد کے پاس آئے اور کہا کہ لڑکا ایک روز کچھ بن کر رہے گا اس کے حال سے غافل نہ رہنا۔

کچھ عرصہ بعد ملا بیخود مجھے شاہ ماہر کی صحبت میں لے گئے۔

گویاؔ اور جویاؔ دو بھائی تھے۔ کشمیر میں ایک دن شاہ ماہر کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے کہ ہم نے طالب کلیم کے تخلص کو آپس میں تقسیم کر لیا ہے۔ جویاؔ طالب اور گویاؔ کلیم۔ شاہ صاحب نے فرمایا۔ لیکن اس کے مطالب و معانی کو تم نے کس طرح تقسیم کیا ہے؟

چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

چشمم چگونہ دیدن رو یت ہوس کند | نظارہ بر چراغ تو کار لفس کند
دو بار سوز داز اں رو تواں بلند کشد | مے دو آتشہ در سوختن سپند کند

سعد اللہ مسیحائی پانی پتی

شیدا کے ساتھ بہت یگانگت و اتحاد رکھتا تھا۔ قصہ رام و سیتا نظم کیا اس میں ایک نعتیہ شعر کہا جو سب شعرا کو بہت پسند ہے ؎

دل از عشق محمدؐ ریش دارم | رقابت با خدائے خویش دارم

سیتا کی عصمت کے متعلق ایک نہایت عمدہ شعر کہا ہے ؎

تنش را پیرہن عریاں نہ دیدہ | چو جاں اندر تن و تن جاں ندیدہ

ایک روز مرزا ماہر اس شعر کو پڑھتا اور بہت تحسین و آفرین کرتا تھا۔ اسکے خیال میں یہ نعتیہ شعر تھا۔ فرمایا۔ کاش میرا تمام کلام لے کر صرف یہ شعر مجھے دے دیتے۔ میں نے کہا۔ یہ شعر سیتا کی عصمت کی تعریف میں ہے۔ یہ سنتے ہی بے اعتقاد ہو گئے اور کہا عجب پست فطرت شاعر ہے جس نے ایسے بلند معنی کو ایسے

موقع پر ادا کیا۔ ؎

در بزم عاشقاں چو بر آرم ز سینہ آہ
چوں منبری کہ دود کند دور م افگنند

ملا مفید بلخی

سرزمین توران میں اس کے مانند کوئی صاحب کمال پیدا نہیں ہوا۔ اوائل جلوس عالمگیر شاہی میں ملتان میں وفات پائی۔ نمونہ کلام ؎

ز دست طالع ناساز خویش رسوائیم
سیاہ بختی من ہمچو مشک بو دارد

از رہائی مگو کہ چوں طاؤس
پر و بالم بہ مہر صیاد است

مئی کلال

عہد جہانگیری میں شاعری کا رواج دیکھ کر اس کے دل میں بھی شعر گوئی کا خیال پیدا ہوا۔ ایک مختصر دیوان ترتیب دیا قوم کا کلال تھا جن کا کام چوبداری اور اہتمام سواری کے سوا کچھ نہیں۔ جہانگیر ان لوگوں کو چنڈال کہا کرتا تھا۔ مئی کچھ عرصہ سے نورجہاں بیگم کی خدمت میں ملازم تھا۔ ایک دفعہ بیگم سے عرض کہ اگر آپ بادشاہ کے حضور میں میرا ذکر کریں تو شاید میری ترقی کا موجب ہو جائے۔ بیگم نے ایک دن موقع پا کر اس کی سفارش کی۔ بادشاہ نے فرمایا۔ کہ کیا شعرا کی نوبت یہانتک پہنچ گئی ہے کہ چنڈال بھی شعر کہنے لگے بیگم نے کہا خانہ زاد ہے حضور میں تربیت پائی ہے۔ آخر بادشاہ نے اسے بلایا اور شعر سنانے کا حکم دیا۔ مئی نے یہ شعر پڑھا ؎

سٹی بگیر بہ مہری وارد ای نصیحت گر — کنارہ گیر کہ امروز روزِ طوفان است

بادشاہ نے فرمایا۔ میں نے نہیں کہا تھا کہ اسے شعر کے ساتھ کیا نسبت ہے؟ یہاں بھی اپنے پیشے کی رعایت سے باز نہیں رہ سکا۔

کچھ مدت کے بعد ایک دن بیگم کی سواری کے پیچھے بھاگا اور عرض کیا کہ ایک بار اور شعر خوانی کی اجازت عنایت فرمائیں۔ بیگم نے جہانگیر کو راضی کر کے اسے طلب کیا۔ ستی نے یہ شعر پڑھا ؎

من میروم و برق زناں شعلۂ آہم — اے ہمنشاں دور شوید از سر راہم

بادشاہ ہنسا اور فرمایا۔ پھر وہی پیشہ کی رعایت۔

میرزا قطب الدین مائل

خوش فکر، خوش نویس اور قابل جوان تھا۔ علوم مروجہ میں کافی دستگاہ تھی۔ حکیم صاحب اور میر معز کا مصاحب تھا۔ آخر کار دیوانہ ہو گیا۔ منصب کو ترک کر کے دار الخلافہ شاہجہان آباد میں فروکش ہوا۔ ۲۷ رمضان المبارک ۱۱۰۸ھ کو وفات پائی۔ نمونہ کلام ؎

در کسوتِ محبت ہم دلق را پسندند — گر تو سیاہ چشمی من ہم سیاہ پوشم

پاک طینت را ز دنیا دوری در کار نیست — میتواں چوں آب گوہر از سر گوہر گذشت

نظیری نیشاپوری

اپنے اقران و امثال سے گوئے بلاغت لے گیا۔ عہد جہانگیری کے

شعرا اسے استاد مانتے ہیں۔ خانخاناں کے ساتھ ارتباط تمام رکھتا تھا اسی زمانے میں ایک اور شخص بھی نظیری تخلص کرتا تھا۔ دونوں کے درمیان تخلص کے متعلق جھگڑا ہوگیا۔ آخر فیصلہ یہ ہوا کہ نظیری نیشاپوری دس ہزار روپیہ یا آ کے عدد کے بھیجے۔ تاکہ دوسرا شخص یا آ کو دور کرکے نظیر تخلص اختیار کرے۔ نمونۂ کلام ؎

عشق را کام بعہدِ رخ گلفام تو نیست　　صبح امید و شب وصل در ایام تو نیست

محبت با دل غم دیدہ الفت بیشتر گیرد

چراغی را کہ دودی ہست در سر زود تر گیرد

نادم گیلانی

نہایت خوش گو اور صاحب تلاش تھا۔ حاجی محمد جان قدسی اس کے ہر شعر کو ایک اشرفی کے عوض خرید تا تھا۔ نمونۂ کلام ؎

بیمار عشق را ز مداوا چہ فائدہ　　دارد لب تو فائدہ اما چہ فائدہ

دلم در وصل از تاب رخ جانانہ میسوزد　　فروز دگر چراغ تیرہ بختاں خانہ میسوزد

ملا نوعی

ابتدائے عہد جہانگیری میں فوت ہوا۔ بلند مرتبہ شاعر تھا۔ مثنوی سوز و گداز لکھی جو سوز و گداز سے لبریز ہے۔ ہندو عورت کے ستی ہونے کے متعلق لکھتا ہے ؎

چناں مستانہ بر آتش نظر کرد
کہ از بد مستیش آتش حذر کرد

غزل کا شعر ہے ؎

بغنچہ رابطہ جویم کہ در طبیعت عشق
گل شگفتہ بدلہائے بے غماں ماند

آقا محمد حسین ناجی

برادر محمد اسماعیل غافل - فن خط نسخ میں یاقوت ثانی تھا - اور خط شکستہ تعلیق میں بھی ید بیضا رکھتا تھا - علوم ظاہری سے آراستہ اور فن انشا پردازی میں عدیم المثل تھا - مدت تک شاہ عالمگیر کے محلات میں میرے بھائی کے ساتھ رہا -

ایک روز لفظ طیار کو طای حطی کے ساتھ لکھ دیا - عالمگیر نے کاٹ کر تای قرشت سے بنا دیا اور کہا کہ اشرف خان عرض کرتا ہے کہ یہ لفظ فارسی ہے اور فارسی میں طای حطی نہیں آتی - اس نے جواب میں عرض کیا کہ یہ کوئی کلیہ نہیں - رفع اشتباہ کے لئے صد، شصت، طلائ وغیرہ اکثر الفاظ کو فارسی قواعد کے خلاف لکھتے ہیں اگر یہ لفظ فارسی ہے تو مخفف ہونا چاہیئے کہ فارسی کے کسی لفظ پر تشدید نہیں آتی - بادشاہ نے فرمایا - کہ دراج، فرخ اور خرم کے بارے میں تیری کیا رائے ہے - عرض کیا کہ دراج عربی ہے، خرم معرب اور فرخ دو کلموں سے مرکب ہے - فر بمعنی زینت - اور اس قسم کے الفاظ بکثرت ہیں - مثلاً شپّر، شبّو وغیرہ -

بادشاہ نے ناراض ہو کر فرمایا کہ یہ شخص بہت تند، تلخ اور نا قباحت فہم

باہمی لڑائی کے متعلق ایک نہایت عمدہ مثنوی لکھی ہے اور دوازدہ امام کے اقوال جمع کر کے ایک رنگین کتاب مرتب کی ہے موسوم بہ ابواب الجنان ۔

نمونۂ کلام ملاحظہ ہو ؎

عرق ناکردہ پاک از محفل ما شد نگار ما
دریں گلشن سکندر خاست از شبنم بہار ما
محبت طرفہ صحرا ایست کز غیرت دران وادی
گریباں چاک نتواں دید نقش پای آہو را
ندانستم ز غیرت یار کے برخاست از مجلس
طپیدنہای سر چند دستی زد بہ پہلویم

میرزا حسن بیگ واثق

فن شاعری میں استاد کامل تھا ۔ اوائل جلوس عالمگیری میں منصب ترک کر کے ایران جانے کی اجازت لی ۔ دو ایک مرتبہ مجھے بھی اس کی ملاقات کا اتفاق ہوا میرا ایک تازہ شعر اپنی بیاض میں خود میرے قلم سے لکھوایا ۔ اور کہا کہ میں ہندوستان سے جو تحفہ لے جا رہا ہوں وہ یہی شعر ہے سرخوش ؎

پوشیدہ تہ خرقہ پشمینہ گشتم سے
چوں ابر بود آب نہاں در نمد من

چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

راست بودن با کج اندیشاں بلاست
عکس سرو از آب مواج اژدہاست
آئینہ ایست بر سر راہ عدم ، وجود
ہر کس رسید گرد نگاہی و در گذشت
حیرت گداز آں مژۂ سرمہ سای را
آمد شد نگاہ شمار نفس بود
کوہ و صحرا ہمہ یک لعل بدخشانی شد
رنگ گل بسکہ ز شوق تو بیابانی شد

محمد اخلاص وامق

نومسلم تھا۔ صغر سن میں شیخ محمد درویش کی صحبت میسر ہوگئی اور اسلام قبول کیا۔ مدت تک اپنے اسلام لانے کو پوشیدہ رکھا۔ اس کا باپ کلالونزہ کا قانونگو تھا۔ کسی طرح اسے معلوم ہوگیا اور اس نے بیٹے کی ہلاکت کا تہیہ کر لیا۔ یہ وہاں سے بھاگ کر مولوی عبداللہ خلف مولوی عبدالحکیم سیالکوٹی کی خدمت میں چلا گیا۔ انہی کے ہمراہ ۲۲ سنہ جلوس عالمگیری میں بارگاہ میں حاضر ہوا اور ملازمت اختیار کی۔ اور بادشاہ کی تلقین سے اسلام قبول کیا۔ علوم ظاہری اور انشاپردازی میں عدیم المثال تھا۔ کبھی کبھی شعر بھی کہہ لیتا تھا۔ ملاحظہ ہو ؎

محتسب میکشی از دست تو مشکل شدہ است
شیشۂ مے بہ بغل آبلۂ دل شدہ است
از تپش آسودن دل شاہد مرگ دل ست
نبض از جنبش چو آساید رگ خواب فنا ست

درویش والہ

بنگالہ کی طرف زندگی بسر کرتا تھا اس کا یہ ایک شعر لاکھوں شعروں پر بھاری ہے۔ نمونۂ کلام ؎

آسماں گو خلعت منت مپوشاں بر تنم زانکہ ہمچو نغمہ تاری بس بود پیراہنم

فقیر (سرخوش) نے اس کے جواب میں مطلع کہا ہے ؎

زیر بارِ خلعتِ منت کجا باشد تنم
چوں حبابست آبروئے خویشتن پیراہنم

محمد عاشق ہمت

نہایت خوش فکر نوجوان تھا۔ دو شعر ملاحظہ ہوں ؎

در انتظار او نگہم خوں شدہ چکید
چشمم جدا ز دوست نگوئی بریدہ است

بیا ہنوز غمم از خمار حسرت نیست
بجام آئینہ نہ جرعۂ نفس باقیست

ہمت خان

اسلام خاں بخشی کا بیٹا تھا اس کا شمار امرائے سلطنت میں ہوتا تھا کبھی کبھی شعر کہتا تھا ؎

من چہ گویم کہ چہ مقدار بدل نزدیکی
چشم بد دور کہ بسیار بدل نزدیکی

بجز خارے کہ مجنوں داشت در دل
بیابان جنوں خارے ندارد

محمد ہاشم

سرخوش کے والد بزرگوار، مرد صاحب کمال تھے۔ رباعی ؎

رو فقر گزیں کہ فقر بہتر ز غنا
کاں سایہ کند در آفتاب فردا

دولت ندہد نجات ز آتش چوں فقر
خشنا نہ بہ از قصر بود در گرما

میر یحییٰ کاشی

شعرائے پایہ تخت میں سے تھا۔ شاہجہان آباد کی آبادی کی تاریخ

بہت خوب کہی ہے ؎

شد شاہجہان آباد از شاہجہان آباد

پنجہزار روپیہ صلہ پایا۔ پاشاہ نے اس کو "پادشاہ نامہ" نظم میں لکھنے کی خدمت پر مامور فرمایا۔ اس میں ایک شعر لکھا ؎

سرِ راجپوتاں جگت سِنگہ بود — کہ بر شیشۂ نہ فلک سنگ بود

محمد علی ماہر نے ہر چند کہا کہ سِنگہ اور سَنگ قافیہ نہیں ہوتے۔ اس نے کہا۔ ہم مغل ہیں۔ ایسی باتوں میں امتیاز نہیں کرتے۔ ہم معذور ہیں۔ آخر اسی شعر کی وجہ سے بادشاہ کی نظروں سے گر گیا۔ بادشاہ نے فرمایا کہ اسے تو قافیہ کی بھی خبر نہیں۔

چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

یاں ہوسہا از وجود دل تو الدمی شود — مرد تا در سینہ دارد دل زن آبستن ست

حرف تو مے برد ز دل شوق مے شبانہ را
لب بکشا و باز کن قفل شراب خانہ را

یہ شعر اسکی تاریخ وفات کے ساتھ لوح مزار پر کندہ ہے ؎

اے کہ از دشواری راہ فنا ترسی مترس
بسکہ آسان ست این رہ بیتوان خوابیدہ رفت

تاریخ وفات میر یحییٰ کاشی ہے

احیای سخن چو کرد یحییٰ جاں داد

ریاض

تمت